

# بنیادی عقائد

دین اسلام بنیادی طور پر دو اجزاء پر مشتمل ہے ایک عقائد اور دوسرا اعمال۔ عقائد دین کا نظریاتی اور قلبی پہلو ہیں جب کہ اعمال میں اس کا عملی پہلو شامل ہے۔ اعمال میں عبادات، معاملات اور اخلاق شامل ہیں۔ عقائد اجزائے ایمان کا دوسرا نام ہے۔

عقیدہ کی جمع عقائد ہے اور عقیدہ کا لفظ عقد سے بنا ہے جس کے معنی ”پختہ گرہ باندھنا اور مضبوط عہد و پیمان کرنا ہے۔“ اس کا تعلق قلب انسانی سے ہے۔ اس طرح عقیدہ سے مراد وہ نظریہ ہے جو انسان کے دل میں گھر کر جائے۔ وہ تصور ہے جو اس کے ذہن و باطن میں اچھی طرح سما جائے اور وہ سوچ ہے جو اس کے ارادے کو حرکت دے حتیٰ کہ انسان سے اچھایا نہ اُمل کرائے۔ نیز اُسے ایک خاص طرز زندگی اختیار کرنے پر آمادہ کرے اور زندگی بھر وہ اس مضبوط عقیدہ اور پختہ نظریہ پر قائم رہے۔ عقیدہ کی مثال بیج جیسی ہے جبکہ اس کا پھل عمل ہے۔ ہمارا ہر عمل دل کے تابع ہے اور ہمارے ارادوں اور نیتوں کے محرک ہمارے دلی جذبات ہیں۔ جذبات انسانی پر اس کے عقائد کی حکومت ہے۔ اس طرح تمام جذبات و احساسات کو ہم دل سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے تمام نیک اعمال اور بُرے افعال کا مرکز دل کو قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

الْإِنَّ الْجَسَدَ لَمُضْطَفٌّ إِذَا هَلُصَتْ صَلَءُ الْجَسَدِ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ  
”انسانی جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ درست ہو تو تمام جسم درست رہتا ہے۔ اگر اس میں خرابی پیدا ہو جائے تو تمام جسم میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ پس جان لو وہ ٹکڑا انسان کا دل ہے۔“ صحیح بخاری۔ کتاب الایمان، جلد اول، صفحہ ۲۹

اسلامی عقائد کو دل کی گہرائی سے ماننے بغیر نہ اسلامی کردار پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی سیرت تشکیل پاسکتی ہے۔ ان عقائد کو قرآن حکیم ایمانیات کا نام دیتا ہے۔ ملت اسلامیہ کے تمام افراد کو وہی غذا انہی ایمانیات سے ملتی ہے جس کی بدولت مسلمانوں میں اعمال کی یکسانیت پیدا ہوتی ہے اور یہی اجزائے ایمان پوری ملت میں یکا نگت و وحدت اور استحکام کی بنیاد ہیں۔

اسلام کے بنیادی عقائد پانچ ہیں جنہیں قرآن کی اصطلاح میں اجزائے ایمان کہا جاتا ہے:

- ① ایمان باللہ (توحید)
- ② ایمان بالرسل (رسالت)

# 1 توحید

مفہوم: توحید کا لفظ وحدۃ سے ہے جس کا مادہ ”وح“ ہے۔ توحید کے لغوی معنی ایک ماننا اور واحد جاننا ہے۔ اصطلاح شریعت میں توحید کے معنی خدا تعالیٰ کو ایک اور واحد ماننے کے ہیں۔ یعنی خداوند تعالیٰ کو وحدۃ لا شریک نہ مانا جائے جو اپنی ذات میں یکتا صفات میں لائانی اور افعال میں بے مثل ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہے اس کائنات کا وہی مالک و خالق ہے۔ رب العالمین ہے۔ ازل سے ہے ابد تک رہے گا۔ حیُّ و قیوم ہے۔ ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔ اپنی ذات میں کامل اور ہر صفت کا کمال سے متصف ہے۔ یہی عقیدہ توحید کہلاتا ہے اور اس کو ماننے والا موحد، خلیف اور مومن کہلاتا ہے اور نہ ماننے والا مشرک کافر اور منکر ہے۔

## توحید کی اقسام

خداوند قدس اپنی ذات میں لا شریک، صفات میں لائانی اور افعال میں بے مثل ہے۔ سہولت کے لئے علماء نے توحید کی تین اقسام بیان کی ہیں:

① تو حید ذات: توحید فی الذات کا مطلب ہے کہ وہ احد ہے (وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ) اسی خالق

کائنات ہے۔ (فَاطَرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ) تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں

ہے۔ وہ اکیلا مالک الملک ہے۔ وہ ازل سے ہے ابد تک رہے گا۔ (هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ) خدا کی کوئی

جنس نہیں جس کی طرف وہ منسوب ہو بلکہ کوئی اس کا ہم جنس نہیں۔ اس کا وجود اجزاء سے مرکب نہیں جو قابل

تقسیم ہو یا کوئی شکل و صورت رکھتا ہو یا کسی جگہ رہتا ہو یا کوئی چیز اس کے اندر جگہ پاتی ہو۔ وہ تغیر و فنا سے مبرا

ہے۔ وہ ہی ایک بے مثل ذات ہے جو ہر لحاظ سے ایک ہے۔ ہم کسی چیز سے اس کو تشبیہ بھی نہیں دے سکتے۔

(لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) کیونکہ اس جیسی کسی چیز کا پوری کائنات میں وجود نہیں۔ (سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ)

② تو حید صفات: خداوند تعالیٰ اپنی صفات میں بھی بے مثال ہے۔ (وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ) یہ

صفات اس کی ذات کا جز ہیں۔ اس سے علیحدہ نہیں اور اس کی ذات ہی کی

طرح ازلی اور ابدی ہیں۔ وہ رحمن و رحیم ہے۔ جی و قیوم ہے۔ خالق و مالک ہے۔ اس نے اپنی یہ صفات

خود بتائی ہیں اور ہم اسے انہی صفات سے پہچانتے ہیں اور ویسا ہی مانتے ہیں جیسا کہ وہ خود بیان کرتا ہے

ہم اس کی صفات میں کمی بیشی نہیں کر سکتے۔ (قُلْ أَمِنْتُ بِاللَّهِ كَمَا هُوَ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ)

③ تو حید افعال: توحید افعال کا مطلب ہے کہ اس کائنات میں جس قدر بھی تصرف ہوتا ہے اسی

ذات واحد کی طرف سے ہوتا ہے۔ (إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ) وہ علیم و خبیر ہے۔

ادنیٰ سے ادنیٰ بات بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ وہ ہمارے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے

بھی باخبر ہے۔ (عَلَيْهِمْ يَذَاتِ الصُّدُورِ) کسی درخت سے کوئی پتا گرتا ہے تو اس کے حکم سے اگر کوئی

مرتا ہے تو اس کے امر سے، کوئی پیدا ہوتا ہے تو اس کی حکمت کے مطابق۔ وہی جنس مقرر کرتا ہے۔ کسی کونز

اور کسی کو مادہ۔ وہی مقدار کا تعین کرتا ہے کہ کون سی مخلوق کس زمانے میں کتنی تعداد میں تخلیق کرنی ہے۔ وہ

ہر شے ایک خاص مقدار سے پیدا کرتا ہے یا ختم کرتا ہے اور یہ پوری کائنات آخر اس کے حکم سے فنا

ہو جائے گی۔ غرضیکہ تمام اختیارات اور تصرفات اسی ذات بے ہمتا کو حاصل ہیں اور ہر قسم کے افعال پر

پوری طرح قادر ہے۔ (إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) (البقرة: ۲۰)

## توحید کی اہمیت

① دین اسلام کا سنگ بنیاد: دین اسلام کے پورے اعتقادی نظام کی بنیاد توحید ہے۔ باقی

عقائد، اخلاق اور معاملات اسی بنیاد پر استوار کئے گئے ہیں۔

توحید یعنی کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق اسلام کی پہلی اور لازمی شرط ہے۔ جو چیز مسلم کو کافر، موحد کو مشرک اور مومن کو منکر سے الگ کرتی ہے وہ یہی کلمہ توحید ہے۔ اس کے ماننے والے ”مومنین“ اور نہ ماننے والے ”منکرین“ ہیں۔ مومنین کے لئے دنیا میں کامیابی اور آخرت میں نجات ہے جبکہ منکرین کے لئے دنیا میں ناکامی اور آخرت میں نازِ جہنم ہے۔ قرآن مجید میں عقیدہ توحید پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اس کا کوئی صفحہ توحید کی تعلیم سے خالی نہیں ہے۔ سورۃ اخلاص توحید کی بہترین ترجمان ہے۔ جسے آنحضور ﷺ نے خلعت القرآن ایک تہائی قرآن کہا ہے:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ترجمہ ”کہہ دو کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔“ (سورۃ اخلاص، ۱-۴)

② احادیث نبوی ﷺ: احادیث میں توحید کی بنیاد پوری طرح واضح کی گئی ہے:

① حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں تو اللہ نے اُس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے۔ (رواہ مسلم)

② حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی شہادت دینا جنت کی کجی ہے۔“ (مسند احمد)

③ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ”دوزخ میں سے وہ سب لوگ نکال لئے جائیں گے جنہوں نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا اور ان کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ پھر وہ لوگ بھی نکال لئے جائیں گے جنہوں نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا اور ان کے دل میں گیموں کے دانے کے برابر ایمان ہوگا اور اس کے بعد وہ لوگ بھی نکال لئے جائیں گے جنہوں نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا اور ان کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان تھا۔ (بخاری و مسلم)

④ اسی طرح آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ سب سے افضل ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔ نیز حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میرا قلعہ ہے جو میرے قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے بچ گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا:

”اے موسیٰ (علیہ السلام)! اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دوسرے پلڑے میں تو کلمہ طیب کا وزن ان سے زیادہ ہوگا۔“ (شرح السنۃ للبقوی)

شُرک: شرک توحید کی ضد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہوئے کسی اور کو اس کا شریک ٹھہرانا۔



اس کے لغوی معنی ہیں شراکت یعنی حصہ داری۔ شریعت کی اصطلاح میں اللہ کی ذات اس کی صفات یا اس کی عبادت میں کسی اور کو اس کا حصہ دار ٹھہرانا شرک ہے۔

شرک کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس کے لئے بارگاہ الہی میں کوئی معافی نہیں۔ قرآن پاک میں ارشادِ باری ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: 48)

**ترجمہ** بلاشبہ اللہ یہ بات معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے سوا باقی سب باتیں جس کے لئے چاہے معاف کر دیتا ہے۔

دوسری جگہ قرآن نے شرک کو "بہت بڑا ظلم" قرار دیا ہے۔

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ○ "بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔" (لقمان: 13)

شرک کی تین قسمیں ہیں:

**① شرک فی الذات:** یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور اختیار میں کسی دوسرے کو حصہ دار ماننا یا اللہ تعالیٰ کو کسی کی اولاد یا کسی کو اس کی اولاد سمجھنا۔ پہلی صورت کی مثال

مجوسیوں کا دو خداؤں کو ماننے کا عقیدہ ہے جو ایک کو بیڑاں اور دوسرے کو اہرن کا نام دیتے ہیں۔ دوسری صورت کی مثال عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ دونوں عقیدے شرک کہلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (سورة الاحقاف: 3, 4)

**ترجمہ** نہ اس نے کسی کو جنم نہ وہ جنم کیا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

**② شرک فی الصفات:** اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو ماننا لیکن اس کی صفات کو دوسروں کی طرف منسوب کر دیا جیسے کسی دوسرے میں اللہ تعالیٰ جیسا علم یا قدرت یا

ارادہ ماننا۔ مثلاً یہ کہہ دینا کہ فلاں ستارہ ہارش برساتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

لَهُمْ كَيْفُ إِلَهِهِمْ شَيْعٍ "کوئی چیز اللہ تعالیٰ جیسی نہیں" (الشوریٰ: 11)

**③ شرک فی العبادت:** اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ کسی اور کو معبود ماننا اور اس کے آگے سجدہ کرنا۔ اس کی کئی صورتیں ہیں:

(ا) مخلوق میں سے کسی کو رب مان کر اس کے احکام کی پیروی کرنا اور اس کے مطابق فیصلے دینا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ لَّمْ يَخُفْهُمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ○ (المائدہ: 44)

**ترجمہ** اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے پس وہی لوگ کافر ہیں۔

(ب) مخلوق میں سے کسی کو موت و حیات اور نفع و نقصان کا مالک مان کر اس کے آگے سر جھکانا اور اس

توحید کا اقرار اور ایک خدا کا اعتراف انسانی فطرت میں داخل ہے۔

**① فطرت کی ریکارڈ:** جس پر انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔ قرآن مجید:

فَطَرَتِ اللّٰهُ الْاِنْسَانَ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط ﴿الروم: 30﴾

**ترجمہ** یہ خدا کی اپنی فطرت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا۔

عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانی روحوں سے اس کا عہد لیا تھا جسے ”عہد الٰہی“ کہتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے تمام ارواح سے سوال کیا:

اَلَا اَسْتَبْرِئُكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا۔

قَالُوا بَلَىٰ ۖ كَيْفَ لَا نَبْلَىٰ ۖ أَفَمَا نَبْلَىٰ ۖ كَيْفَ لَا نَبْلَىٰ ۖ أَفَمَا نَبْلَىٰ ۖ كَيْفَ لَا نَبْلَىٰ ۖ

آنحضور ﷺ نے اس کی توثیق فرمائی:

”كُلُّ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ“ یعنی ہر بچہ فطرتِ سلیمہ (عقیدہ توحید) پر پیدا ہوتا ہے۔  
غرض نوع انسانی کا کوئی گروہ، زمین کا کوئی گوشہ کسی زمانے میں بھی عقیدہ توحید سے خالی نہیں رہا۔  
گو کبھی کبھی خارجی اثرات سے انسان کا یہ فطری جذبہ دب جاتا ہے۔ رسالت محمدی ﷺ نے اسی جذبہ کو  
بیدار کیا ہے۔

**2) انبیاء علیہ السلام کی تعلیم کا خلاصہ:** حضرت آدم علیہ السلام سے محمد ﷺ تک جتنے انبیاء آئے ان

سب نے عقیدہ توحید ہی کا پرچار کیا۔ توحید ہی کی وجہ سے  
انہیں ہر قسم کی تکلیفیں دی گئیں۔ خود آنحضور ﷺ نے تیرہ سالہ کی زندگی میں اس عقیدہ توحید کی دعوت دی  
اور مخالفین کی مخالفتوں کا سامنا کیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِذْ جَاءَهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ

ترجمہ ”جب اُن کے پاس رسول آئے، اُن کے آگے سے اور اُن کے پیچھے سے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی  
عبادت نہ کرو۔“ ﴿حَمَّ السَّجْدَةِ 14﴾

**3) جامع دلیل:** خود خالق کائنات اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ کائنات میں اس کی ذات کے

سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو خدا کی صفات سے متصف ہو۔ اس کے بعد فرشتے جو  
کائنات کے انتظامی کارندے ہیں وہ اپنے ذاتی علم کی بنا پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سلطنت میں  
اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو غالب ہو اور اقتدار کی مالک ہو۔ اس کے بعد تمام مظاہر فطرت اور اصحاب علم  
سب کی متفقہ شہادت ہے کہ ایک ہی خدا اس کائنات کا خالق، مالک اور مدبّر ہے۔ فرمایا:

ترجمہ ”اللہ نے خود اسی بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہل علم بھی  
انصاف کیساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی الٰہ نہیں ہے۔“ (القرآن)

**4) عقلی دلیل:** توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال کی عقلی دلیل نظامِ عالم کی وحدت ہے۔

آفتاب و مہتاب و دیگر اجرام فلکی یکساں مربوط اور منظم طریق پر چل رہے ہیں۔ یہ  
تمام عناصر کائنات ہم آہنگ اور باہم متحد ہیں۔ اسی طرح دیگر مظاہر فطرت ہوا، پانی، حیوانات و نباتات  
حتیٰ کہ بے جان جمادات ایک مقررہ نظام کے تحت چل رہے ہیں جس میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں آتا۔ ہر  
شے اصول کی پابند اور نظم میں جکڑی ہوئی ہے۔ کائنات میں یہ نظم و ضبط اور مخلوقات میں وحدت  
و یکسانیت توحید باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہے۔ اس مشاہداتی اور عقلی دلیل کو قرآن مجید میں اس طرح  
بیان کیا گیا ہے:

مَكَتُولِي فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَوُّتِ ط

تم خدا کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے۔ ﴿سورۃ ملک آیت 2﴾

غور سے دیکھو کیا تمہیں کائنات میں کوئی فرق اور بد نظمی نظر آتی ہے؟ اسی طرح اسلام نے معویت (دو خدا) تثلیث (تین خدا) یا متعدد خداؤں کے نظریہ کی تردید کی ہے جو نظام عالم کی وحدت، یکسانیت اور اتحاد کے خلاف ہے۔ ارشاد قرآنی ہے: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ﴿الانبیاء: 22﴾ اگر ان دونوں (آسمان و زمین) میں اور معبود ہوتے اللہ کے سوا تو الجحیم (زمین و آسمان) درہم برہم ہو جاتے۔

## انسانی زندگی میں توحید کے ثمرات و اثرات

عقیدہ توحید کے مندرجہ ذیل فوائد و ثمرات ہیں:

① آزادی اور وسعت نظری: جب انسان اللہ تعالیٰ کو خالق السموات والارض اور رب

المشرق والمغرب تسلیم کرتا ہے۔ تو اس کی نظر میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی نگاہ کا افق بھی لامحدود ہو جاتا ہے جیسا کہ خدا کی کائنات لامحدود ہے۔ اس لئے ایک مسلمان زمین، نسل اور قوم کی پرستش نہیں کرتا بلکہ اس کی نظر وسیع اور آفاقی ہوتی ہے، نسل اور قومی حدود سے آزاد اور بالاتر ہوتی ہے۔

② عزت نفس: مرد مومن اللہ تعالیٰ ہی کو قوت و طاقت کا سرچشمہ مانتا ہے۔ اسے ہی نفع دینے والا، نقصان پہنچانے والا مانتا ہے۔ اسی خیال سے بندہ مومن خود دار اور عزت نفس کا حامل ہوتا ہے۔ اس کا سر مخلوق کے آگے نہیں جھکتا۔ وہ اپنا ہاتھ کسی کے آگے نہیں پھیلاتا۔ کسی دنیاوی قوت سے مرعوب نہیں ہوتا جبکہ کافر اور مشرک ان اوصاف سے عاری ہوتا ہے۔ وہ ہر ایک کے آگے جھکتا ہے۔ اور عزت نفس کھو بیٹھتا ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دینا ہے آدمی کو نجات

﴿اقبال﴾

③ عجز و انکساری: خدائے واحد کو خالق، مالک اور رب ماننے کا ہی اثر ہے کہ بندہ مومن عاجز اور نرم مزاج ہوتا ہے۔ غرور تکبر سے دور رہتا ہے۔ ہر نعمت اور قوت خدا کی دین اور عطیہ ہے۔ خدا جب چاہے یہ نعمت چھین سکتا ہے۔ اس کے برعکس منکر و ملحد کفران نعمت کرتا ہے۔ وہ دنیاوی کامیابی اور مادی خوشحالی کو اپنی کوشش کا نتیجہ قرار دیتا ہے اس لئے متکبرانہ روش اختیار کرتا ہے۔

۔ توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے

آسان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا

**4 تقویٰ و طہارت:** ایک مومن اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب اور علیم بذات الصدور سمجھتا ہے۔ وہ

جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ خلوت ہو یا جلوت، اندھیرا ہو یا

اجالا، اس کا ہر کام اور فعل خدا کی نگاہ میں ہے اس لئے وہ اپنے عمل کو ہمیشہ حسن و خوبصورتی سے انجام

دیتا ہے۔ گناہ و معصیت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کر سکے اور آخرت

میں جنت کا مستحق ہو جائے۔ اس کے برعکس مشرک اور دہریہ اپنے آپ کو مادر پدر آزاد خیال کرتا ہے۔ کسی

بالا تر ہستی پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی تمام زندگی گناہ، بے راہ روی اور فسق سے عبارت ہوتی ہے۔

**5 شجاعت اور جرأت مندی:** بندہ مومن خدا کو ہی زندگی اور موت دینے والا سمجھتا ہے۔

موت کا وقت مقرر ہے یہ تصور ہی مومن کو شجاع، بہادر اور

جرأت مند بنادیتا ہے۔ اس کے برعکس مشرک اور کافر زندگی اور موت کو اپنے اور دوسرے دنیاوی اسباب

سے متعلق سمجھتا ہے اور اپنے زعم میں موت کو ٹال سکتا ہے۔ اس طرح سے وہ موت سے بھاگتا ہے اور

بزدلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

**6 سکون و اطمینان:** بندہ مومن خدا کو ہی سب سے بڑا سہارا اور مددگار خیال کرتا ہے۔ دکھ اور

سکھ اس کی طرف سے ہے۔ اس لئے وہ ہر مصیبت کے وقت غیر مناسب

جزع و فزع نہیں کرتا بلکہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا ہے اور یہ نظریہ اُسے سکون قلب اور اطمینان دہنی سے مالا

مال کر دیتا ہے۔ (اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ) اس کے برعکس منکرین خدا اور مشرکین مصائب میں

مایوسی اور بددلی کا اظہار کرتے ہیں اور جلد شکستہ دل ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات خودکشی کا ارتکاب کر

گزرتے ہیں۔

**7 توکل و عزیمت:** توحید انسان میں توکل و عزیمت پیدا کرتی ہے۔ خدا کی رضا اور خوشنودی کا

حصول اس کا نصب العین بن جاتا ہے اور پوری زندگی اس مقصد کے

حصول میں گزرتی ہے۔ (اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ) میری نماز،

قربانی، جینا اور مرنا اللہ کے لئے ہے۔

**8 عالمگیر معاشرہ:** توحید کا عقیدہ رکھنے والا ہر انسان، رنگ، نسل اور ذات پات، وطن و قوم کے

تعلقات سے بالاتر ہوتا ہے۔ ہر کلمہ گو مومن دوسرے مومن کو اپنا دینی بھائی

سمجھتا ہے۔ خواہ وہ کہیں رہتا ہو، اس طرح ایک عالمگیر معاشرہ وجود میں آتا ہے اور ایک موحد بین

الاقوامی شہری بن جاتا ہے۔

۔ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لیے  
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاک کا شہر

**9 خلق خدا کا غم خوار:** خدا رحیم و رحمن ہے۔ عقیدہ توحید کا حامل اپنے اخلاق اور سیرت میں  
خدا کی اوصاف رحمت و شفقت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک  
تمام انسان کتبہ خدا ہے۔ ہمدردی اور غم گساری کا مستحق ہے۔ اس طرح عقیدہ توحید غم خواری اور خدمت  
خلق سکھاتا ہے۔

**10 قناعت و بے نیازی:** جدید زمانے میں مغربی نظریات انسان کو حرص و ہوس کا بندہ بنا دیتے  
ہیں۔ اس کی پوری زندگی زیادہ سے زیادہ مادی ضروریات کو اکٹھے  
کرنے میں گزر جاتی ہے لیکن پھر بھی اس کی لامحدود خواہشات ناقص رہتی ہیں۔ اس کے برعکس عقیدہ  
توحید انسانی میں استغفار اور قناعت پیدا کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ محدود ضروریات پر بھی قناعت  
کرتا ہے اور دولت اکٹھی کرنے کے لئے ناجائز ذرائع اختیار نہیں کرتا۔ نیز رشک، حسد، رشوت اور رزق  
حرام سے بچتا رہتا ہے۔ خدا سے تعلق اُسے مادی خلافت سے بے نیاز کرتا ہے۔  
۔ توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے  
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

## 2 رسالت

**مفہوم:** اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ رسالت ہے جس طرح اعتقادی لحاظ سے توحید اصل دین ہے۔  
اس طرح اتباع اور اطاعت کے لحاظ سے رسالت اصل دین ہے۔ رسالت لفظ رسل سے  
نکلا ہے جس کے معنی پیغام پہنچانا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانا  
رسالت کہلاتا ہے اور جو شخص خدا کی طرف سے یہ فریضہ انجام دے اسے رسول کہتے ہیں۔ عرف عام میں  
پیغام پہنچانے والے کو پیغمبر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا ہم معنی ایک اور لفظ نبی ہے جو نبوت سے مشتق ہے۔ جس  
کے معنی خبر دینا ہے۔ اصطلاح میں نبی عام ہے جس کے لئے نئی کتاب و شریعت کی ضرورت نہیں جبکہ  
رسول خاص ہے جس کے لئے صاحب شریعت و کتاب ہونا لازمی ہے۔ تاکہ وہ نئی شریعت کی دعوت  
دے سکے۔ اس صفہ ہستی پر سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام تھے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی بھی

تھے۔ نبوت و رسالت کی آخری کڑی حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔

رسالت کی ضرورت: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں بے مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے جس کا فریضہ خدا کی عبادت ٹھہرایا اور اس فریضہ کی تکمیل

پر اس کی دنیاوی کامیابی اور اخروی نجات کا دار و مدار ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ ﴿الذاریات: 56﴾

**ترجمہ** اور میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

یہاں عبادت سے مراد پوری انسانی زندگی خدا کی اطاعت میں دے دینا ہے۔ اس میں روحانی، مادی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی ہر قسم کی زندگی شامل ہے۔ گویا کہ پیدائش سے موت تک خدائی ضابطہ کے تحت زندگی گزارنا ہے۔ پس جب انسان کی کامیابی خدا کی ضابطہ کی اطاعت میں ہے تو لازم ہے کہ انسان پتہ لگائے کہ یہ ضابطہ الہی کیا ہے تاکہ وہ اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرے اور اس کی ناراضی سے اجتناب کرے۔ اب فطری سوال پیدا ہوتا ہے کہ احکام الہی جاننے کا ذریعہ کیا ہے؟ انسان کیسے معلوم کرے کہ اللہ کی خوشنودی کے حصول کا کیا طریقہ ہے؟ خدائی احکامات جاننے کے چار مکمل ذرائع ہیں۔

رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان رسولوں میں کسی کے درمیان (ایمان لانے والے) فرق روانہ رکھے تو ایسے ہی لوگوں کو اللہ اجر دے گا اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ﴿التساء: 150-152﴾

## رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

خداوند تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت اور راہنمائی کا انتظام آدم علیہ السلام ہی سے کر دیا تھا۔ چنانچہ مختلف اقوام کے پاس اللہ تعالیٰ کے رسول ہدایت الہی لے کر آئے اور اپنے عمل کے ذریعے اس ہدایت کا عملی پہلو بھی روشن کیا۔ یہ روشن سلسلہ برابر جاری رہا اور ہر دور اور زمانے میں اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعے سے اپنی ہدایت بنی نوع انسان تک پہنچاتا رہا۔ حتیٰ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جو اس سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ چھٹی صدی عیسوی کا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام میں بنیادی امور مشترک ہیں۔ ان میں کسی قوم کی تفریق جائز نہیں۔ (لَا تَفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ) کیونکہ سب اللہ کے مقرر کردہ تھے اور سب ایک ہی صراط مستقیم کی طرف بلائے والے تھے۔ اپنے زمانے میں سب بنی نوع انسان کے لئے قابل اطاعت اور قابل تقلید نمونہ ہیں لیکن ان مشترک امور کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چند امتیازی اوصاف سے نوازا ہے جو دوسرے انبیاء کو حاصل نہ تھے۔ ان امتیازات کی دین اسلام میں بنیادی اہمیت ہے۔ اس لئے رسالت پر کسی کا ایمان اس وقت تک معتبر اور درست نہیں جب تک کہ وہ اس امتیازی شان کا اقرار نہ کرے اور دل سے ایمان نہ لائے۔ ہم ذیل میں رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان امتیازی اوصاف کا ذکر کرتے ہیں:

## رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیازی اوصاف

① عالمگیریت: گزشتہ انبیاء خاص قوموں کے لئے مختلف ادوار میں تشریف لائے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوئے۔ آپ کرۂ ارض کے کسی خاص خطے یا کسی ایک قوم کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ بلکہ ساری دنیا کے لئے اور تمام انسانوں کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ آپ نے اس کا اعلان خود بھی حکم الہی کیا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا **ترجمہ** اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں۔ ﴿الاعراف: 158﴾

یہ ایک ایسی بات ہے جو آپ کے لئے خاص ہے۔ آپ سے قبل جو انبیاء آئے ان میں سے کسی کی

حیثیت یہ نہ تھی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

”مجھ سے پہلے ہر نبی مخصوص طور پر اپنی ہی قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“ (سیرت سرور عالم، جلد اول، ص ۷۳۰)

آپ کے اس ارشاد کی سچائی پر اب پورا عالم اسلام شاہد ہے۔ دنیا کا کونسا خطہ، ملک یا براعظم ہے جہاں غلامان محمد ﷺ موجود نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاص بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی ہدایت کے لئے آئے۔

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام، نوح علیہ السلام اور ہود علیہ السلام صرف اپنی اپنی قوم کو ڈرانے کے لئے آئے تھے۔ صرف حضرت محمد ﷺ پہلے اور آخری بین الاقوامی رسول ہیں جو ہر انسان کا لے اور گورے کی طرف معبود ہوئے ہیں۔ لہذا رسالت محمدی ﷺ عالمگیر اور بین الاقوامی ہے۔ کسی خاص قوم، نسل، ملک اور طبقے میں محدود نہیں ہے۔

**2) دائمی تعلیمات:** رسالت محمدی ﷺ کا دوسرا امتیاز اس کی تعلیمات کا دوام ہے۔ یہ وصف پہلے امتیاز کا لازمی نتیجہ تھا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ فیصلہ ہوا کہ اب نبی ایسا بھیجا جائے جو سب کے لئے اور ہمیشہ کے لئے ہو تو اس کے لئے ضروری تھا کہ اس نبی پر نازل ہونے والے دین کا مزاج بین الاقوامی اور دائمی ہو اور اس کی تعلیمات ہر زمانے، ملک اور ہر قسم کے انسانی مسائل پر حاوی ہوں۔ چنانچہ قرآن مجید کا اعلان ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ط  
ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔ ﴿المائدہ: 3﴾

دین اسلام کے مکمل ہو جانے کی طرف اشارہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ارتقاء کی تمام منازل طے کر چکا ہے اور اب اس میں مزید ترقی کی گنجائش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ وحی و رسالت کا سلسلہ اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہو گیا اور اب قیامت تک کوئی رسول نہیں آئے گا۔ اسلام نے زندگی کے بنیادی اصول متعین کر دیئے ہیں اور ان اصولوں کی روشنی میں ہر زمانے کے حالات کے تحت قوانین مدون کئے جاسکتے ہیں۔ حکیمانہ نظام کی بنا پر اسلام میں ہر دور کا ساتھ دینے کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔

**3) حفاظت کتاب:** علاوہ ازیں انبیاء میں سے کوئی ایک بھی نہیں جس کی پیش کردہ تعلیم یا کتاب آج اپنی درست شکل میں موجود ہو۔ یہ امتیاز تمہارا رسول اکرم ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید اپنی اصل شکل میں موجود ہے اور ہر قسم کی تحریف و ترامیم سے پاک ہے۔ بلکہ قرآن کے علاوہ آپ کی احادیث مبارکہ اور سنت پاک بھی آج تک محفوظ اور قیامت

**۱ جامعیت:** رسالت محمدی ﷺ کا تیسرا وصف "جامعیت" ہے۔ دوسرے مذاہب پوری انسانی زندگی کا احاطہ نہیں کرتے۔ ان کے مقابلے میں رسالت محمدی ﷺ زندگی کا نہایت جامع اور منظم ضابطہ پیش کرتی ہے۔ حیات انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشی ہو یا سیاسی، معاشرتی ہو یا روحانی اسلام کی ہدایت سے محروم نہیں۔ "أَدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً" اس طرح رسالت محمدی ﷺ کوین و دنیا کی وحدت علم و عمل کی یک رنگی اور زندگی میں توازن و اعتدال سکھاتی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت پاک جامعیت کی حامل ہے۔ مختلف طبقات انسانی کو اپنی رشد و ہدایت کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہے یا ہر فرد کو اپنے مختلف تعلقات اور فرائض کو ادا کرنے کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہے وہ سب آپ کی حیات مبارکہ میں موجود ہیں۔

قرآن کریم کی نظر میں آپ ﷺ کی حیات ہر ایک مسلمان کے لئے بہترین نمونہ ہے۔  
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝  
ترجمہ یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ، (ہر) اُس شخص کے لیے جو اللہ اور روز

آخرت پر امید رکھتا ہے اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہے۔ ﴿الاحزاب: 21﴾  
غرضیکہ حضور ختم الرسل ﷺ نے حیات انسانی کے ہر شعبے، ہر گوشے میں مکمل ہدایت اور مثالی اعمال کے ذریعے ہمیں سیدھا، سچا، روشن اور بہترین راستہ بتایا ہے۔ (وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ) بے شک آپ ﷺ خلق عظیم کے مالک ہیں۔ اب ہر انسان خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو اور کسی حال میں بھی ہو اس کی زندگی کے لئے جامع نمونہ اور سیرت کی اصلاح کا سامان رسالت محمدی ﷺ میں موجود ہے۔

**۵ سابقہ شریعتوں کی ناسخ:** رسالت محمدی ﷺ سابقہ شریعتوں کی ناسخ بھی ہے۔ آپ ﷺ

آخری نبی ﷺ ہیں اس لیے اب آپ ﷺ کی شریعت قیامت تک کے لیے واجب العمل ہے۔ اب جو کوئی کسی اور دین اور شریعت کی پیروی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مقبول نہیں ہوگی۔ ارشاد الہی ہے:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ شَيْءٌ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝  
ترجمہ اور جو کوئی چاہے گا اسلام کے سوا کوئی اور دین، تو اُس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، اور وہ

آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا۔ ﴿آل عمران: 85﴾

پس اب رشد و ہدایت، نجات و فلاح کی ضامن شریعت محمدیہ ہی ہے۔

**۶ ختم نبوت:** رسالت محمدی ﷺ کا چوتھا وصف ختم نبوت ہے۔ حضرت محمد ﷺ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام مختلف زمانوں میں مختلف اقوام کی طرف تشریف لائے۔ ان کی

نبوتِ وقتی اور مخصوص قوم کے لئے تھی مگر حضور ﷺ کی نبوت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے اور دائمی ہے۔ آپ ﷺ خاتم الانبیاء یعنی سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ اب تاقیامت کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور نہ ہی کسی نئے نبی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ (الاحزاب: 40)

**ترجمہ** محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور (سب) نبیوں پر مہر (آخری نبی) ہیں اور اللہ ہر شے (چیز) کا جاننے والا ہے۔

”خاتم النبیین“ کے معنی سلسلہ نبوت کو ختم کر نیوالے کے ہیں۔ عربی زبان میں ”ختم“ کے معنی ”مہر لگانے اور بند کرنے“ کے ہیں ”ختم الکتاب“ کے معنی ہیں ”خط بند کر کے اس پر مہر لگا دی تاکہ خط محفوظ ہو جائے“ اس کے معنی ڈاکخانے کی مہر کے نہیں ہیں۔ جسے لگا کر خطوط جاری کئے جاتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد وہ مہر ہے جو لفافے پر اس لئے لگائی جاتی ہے کہ نہ اس کے اندر سے کوئی چیز باہر نکلے نہ باہر کی کوئی چیز اندر آئے۔

CS Scanned with CamScanner

## 5 آخرت

اسلام کے بنیادی عقائد تین ہیں۔ توحید، رسالت اور آخرت اور انہی تین عقائد کی آنحضور ﷺ نے تیرہ سالہ کی زندگی میں تبلیغ کی۔ باقی عقائد انہی کی فروعات ہیں۔ پس ایک مسلمان کے لیے جہاں

CS Scanned with CamScanner

یہ ضروری ہے کہ وہ توحید اور رسالت پر ایمان لائے وہاں اس کے لئے لازم ہے کہ وہ ایمانیات کی آخری کڑی آخرت پر بھی یقین رکھے۔ سورہ بقرہ میں کامیاب مسلمانوں کی ایک علامت یہ بیان کی گئی:

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۴﴾ ”اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔“ ﴿البقرہ: 4﴾

آخرت کے معنی ہیں بعد میں آنے والی جیسے کہ دنیا کے معنی ہیں قریب ترین۔ یعنی موجودہ زندگی اور آخرت کے معنی ہوئے موجودہ زندگی کے بعد آنی والی دوسری دنیا کی زندگی۔ قرآن مجید میں یہ لفظ انہی معنوں میں ایک سوتیرہ جگہوں پر آیا ہے اور ہر جگہ اس کا موصوفہ حیات (زندگی) یا دار (گھر) ہے۔

## عقیدہ آخرت کی اہمیت

عقیدہ آخرت کی اہمیت اس امر سے واضح ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان اکثر مقامات پر یکجا بیان کیا گیا ہے مثال کے طور پر سورہ بقرہ آیت نمبر 62 میں ارشاد ہے:

”مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ“ جو ایمان لائے اللہ پر اور روز آخرت پر“  
اسی طرح سورہ توبہ آیت نمبر 29 میں ہے: قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ  
ترجمہ تم اُن لوگوں سے لڑو (جنگ کرو) جو ایمان نہیں لائے اللہ پر، اور نہ آخرت کے دن پر۔

عقیدہ آخرت کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے اس کے بغیر باقی عقائد بے معنی ہیں۔ اسلام کے سارے نظام کی بنیاد اس حیثیت سے جزاء و سزا ہی کے نظریہ پر ہے کہ اگر انسان اس کا قائل نہ ہو تو پھر وہ کسی قسم کی نیکی و ہدایت کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت کا قائل نہ ہوگا۔ کیونکہ جب تک یہ خوف نہ ہو کہ دوبارہ زندگی ملنی ہے اور اعمال کا حساب لیا جائے گا تو نیکی کی رغبت اور بدی سے نفرت کی آخر کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ اس لئے یوم آخرت میں جزاء و سزا کا بطور بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی طرح اسلام نے بھی آخرت کے عقیدے کو اپنے ضابطہ اخلاق اور نظام شریعت کے لئے ایک زبردست پشت پناہ بنا دیا ہے۔ اس کا نظام اپنے بقاء و استحکام کے لئے مادی قوت اور حاکمانہ شوکت کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایمان بالآخرت کے ذریعے انسان کے نفس میں ایک ایسے طاقتور ضمیر کی تشکیل کرتا ہے جو ہر نیکی اور بھلائی کا محرک بن جاتا ہے۔ قرآن مجید میں سورہ النساء آیت نمبر 77 میں بیان کیا گیا ہے۔ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى ”اور آخرت بہتر ہے پرہیزگار کے لئے۔“

## عقیدہ آخرت کے تقاضے

① اعمال کی ذمہ داری: عقیدہ آخرت کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ اُس دنیا میں انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔ لہذا دنیاوی

## عقیدہ آخرت کے اثرات و ثمرات

انسانی زندگی پر اثرات

عقیدہ آخرت کے انسانی زندگی پر مندرجہ ذیل اثرات و ثمرات مرتب ہوئے ہیں:

**① آخرت کو ترجیح:** دنیا انسان کے لئے عارضی قیام گاہ ہے۔ حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے جسے پائیداری اور دوام حاصل ہے جس کے ثمرات یہاں کے فوائد سے کہیں زیادہ پائیدار اور دائمی ہیں۔ لہذا عقیدہ آخرت پر یقین رکھنے والا ہمیشہ آخرت پر نظر رکھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دنیوی زندگی اس کی اخروی زندگی کا مقدمہ ہے۔ اس طرح وہ اس آخرت کے فوائد کو دنیاوی فائدوں پر ترجیح دیتا ہے اور یہاں کے مصائب و مشکلات کو خوشی خوشی برداشت کر لیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوَ وَلَعِبٌ طَوْنُ الدَّارِ الْآخِرَةِ لَهَا الْحَيَاةُ الْآخِرَةُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ○  
ترجمہ اور یہ دنیا کی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ نہیں، اور بے شک آخرت کا گھر ہی (اصل) زندگی ہے، کاش وہ جانتے ہوتے۔ ﴿العنکبوت: 64﴾

**② حقوق کی ادائیگی:** عقیدہ آخرت خالق اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں مدد و معاون ہے۔ یہ عقیدہ یقین پیدا کرتا ہے کہ دنیاوی زندگی عارضی ہے اور آخرت کی زندگی ابدی اور باقی رہنے والی ہے۔ دنیاوی اعمال کا پورا پورا ریکارڈ رکھا جا رہا ہے جن کا آخرت میں پورا بدلہ ملے گا۔ اس طرح اس میں تقویٰ اور خدا خوفی پیدا ہوتی ہے اور اپنے اعمال و افعال میں محتاط ہو جاتا ہے۔ گناہ و برائی سے اجتناب کرتا ہے اور نیکی و بھلائی کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح اس کی عبادات میں احسان کا وصف پیدا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا رشتہ مستحکم ہو جاتا ہے اور وہ حقوق اللہ کو باحسن طریقے سے سرانجام دیتا ہے۔

اس طرح وہ حقوق العباد میں بھی کوتاہی نہیں کرتا اور دنیا میں مخلوق خدا سے اپنا معاملہ کھرا اور صاف رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آخرت میں دنیوی اسباب میں سے کوئی شے اس کے کام نہیں آئے گی۔ نہ خاندانی اور نہ کوئی اور ذریعہ مفید ہوگا۔ پس یوم آخرت کا عقیدہ انسان کے نفس کے اندر ایک ایسے دباؤ و طاقتور ضمیر کی تشکیل کرتا ہے جو کسی خارجی دباؤ، لالچ یا خوف کے بغیر انسان کو تقویٰ، اخلاص، خلق خدا سے ہمدردی اور مخلوق کی ادائیگی پر آمادہ کرتا ہے کیونکہ وہ بخوبی جانتا ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 223 میں ارشاد ہوا: **وَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوْنَ**

**ترجمہ** یعنی اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ تم کو اس کے پاس حاضر ہونا ہے۔

**3 اجر عظیم:** عقیدہ آخرت کے ماننے پر اللہ تعالیٰ نے ضیافت ربانی اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے جبکہ منکرین آخرت کیلئے خسران عظیم اور دائمی نارنجہنم کی وعید ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَا يَغْرَتُكَ تَغْلِبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۖ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَهُمْ فِيهَا  
الْمِهَادُ ۖ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّكُوا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا لَا

مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ط وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْآبِرَارِ ۖ ﴿١٩٨-١٩٦﴾

**ترجمہ** ”اس دنیا میں کفار کی فائزاندہ اور دلکش چلت پھرت تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہ محض چند روزہ زندگی کا تھوڑا سا لطف ہے پھر یہ سب جہنم میں جائیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں اُن کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اُن باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے اُن کے لئے اللہ کی طرف سے یہ سامان ضیافت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے نیک لوگوں کے لئے وہی سب سے بہتر ہے۔“

**4 اخلاق حسنہ کا وسیلہ:** عقیدہ آخرت اخلاق حسنہ کے حصول کا وسیلہ ہے۔ نیک مقاصد کے حصول کے لئے شجاعت و حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان جب

یہ ایمان رکھتا ہے کہ وہ موت کے ساتھ فنا نہیں ہو جائے گا بلکہ اسے دائمی زندگی مل جائے گی تو یہ ایمان اس میں شجاعت اور بہادری کا جو ہر پیدا کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء اور اللہ کے نیک بندے اپنے زمانے کی بڑی سے بڑی قوت سے بھی ٹکرائے اور شجاعت و بہادری کے ساتھ کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

علاوہ ازیں دنیوی زندگی میں انسان کو مصائب اور مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ نتیجتاً اس میں دنیوی زندگی کے فانی اور آخرت کی زندگی کے دوام کا یقین پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ بڑے سے بڑے مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا ہے۔ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مکی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو مکی دور میں آپ ﷺ نے جس قدر بلند ہمتی اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا وہ اللہ پر کامل یقین اور آخرت پر پختہ ایمان کا نتیجہ تھا۔

پھر آخرت کا عقیدہ انسان کو مال و دولت کی محبت سے بے نیاز کر دیتا ہے اس لیے وہ اپنی دولت کو اللہ کی رضا کے لیے اور آخرت میں اجر کے حصول کی خاطر خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتا اس لیے اہل ایمان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ خوشحالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

حضور مکیؑ کا اسوۂ حسنہ بھی یہی ہے کہ آپ مکیؑ نے دکھی انسانوں کے لیے ایثار کی درخشندہ مثالیں قائم کی ہیں۔ صحابہ کرام کا وصف بھی قرآن مجید نے یہی بیان کیا ہے:

وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ "وہ اپنی ذات پر دھڑول کو ترجیح دیتے ہیں۔" (سورۃ التبرہ: ۷)



## رسول اکرم ﷺ بحیثیت رہبر انسانیت



دنیا کے سب سے بڑے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا کمال یہ ہے کہ وہ ایک وقت زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی راہ نمائی کرتی ہے۔ جس کی حیات طیبہ تمام انسانوں کی راہ نمائی کرے وہی سارے عالم کے لیے رسول ہے۔ رسول اکرم ﷺ سارے عالم کے لیے رحمت بن کر آئے۔ اور تمام عالموں کے لیے اور ساری انسانیت کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے اسی لیے آپ ﷺ کی حیات طیبہ کسی خاص جماعت، کسی خاص قوم، کسی خاص ملک، کسی خاص زمانے کے لیے مخصوص نہ تھی۔ بلکہ آپ ﷺ ساری انسانیت کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے اس لیے آپ ﷺ کی زندگی کو بھی تمام عالم اور پوری انسانیت کے لیے اسوہ حسنہ ٹھہرایا گیا۔

شب ظلمت کے ہنگاموں میں گم تھی عقل انسانی

یگانہ طاق کعبہ پر چراغ ہاشمی آیا

**جامعیت:** آپ ﷺ کی ذات نسل انسانی کے تمام افراد کے لیے زندگی کے روحانی و مادی پہلوؤں میں راہ نمائی کا مرتبہ رکھتی ہے۔ رہبر انسانیت ﷺ کی ذات ایک آفتاب ہے جس کی کرنیں مومنوں کی کائنات قلبی کو منور کرتی ہیں۔ آپ ﷺ بدر کمال ہیں جس کی ٹھنڈی میٹھی روشنی تسکین جاں کا باعث بنتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات ایک بحر بیکراں ہے جو طالبوں کو گہر ہائے مطلوب سے نوازیں دیتی ہے اور تشنگان معرفت کو سیراب کرتی ہے آپ ﷺ کی شخصیت جامع صفات و کمالات ہے۔ ساری انسانیت کی ہر مشکل کا علاج آنحضور ﷺ کی اتباع میں ہے۔ آپ ﷺ بحیثیت شہری، رئیس مملکت، جرنیل، جج، امام، مدبر و منتظم نیز آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی معاشرتی زندگی، معاشی اور سیاسی زندگی ایک عمدہ نمونہ ہے۔ جس میں جامعیت اور عالمگیریت بدرجہ اتم موجود ہے۔ ذیل میں ہم محسن اعظم ﷺ کی زندگی کا مطالعہ بحیثیت رہبر انسانیت کرتے ہیں۔



## عالمگیریت



ہمارے پیارے نبی ﷺ عالمی نبی ﷺ ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت عالمگیر ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ پوری انسانیت کے لیے راہ بردار راہ نمائین کر آئے۔ اور آنحضور ﷺ نے جب تبلیغ دعوت نامے ارسال فرمائے تھے تو وہ صرف روساء عرب کے لیے نہ تھے۔ بلکہ ایران کے کسریٰ

مصر کے قیصر، مصر کے مقوقس اور حبشہ کے اصحمة نجاشی کے لیے بھی تھے۔ یہ ملک عرب کے ارد گرد واقع تھے۔ ان کے ساتھ عربوں کے تجارتی روابط تھے۔ اور وہ ان ملکوں میں آتے جاتے تھے۔ یہ عالمی دعوت اسلام کی طرف پہلا قدم تھا۔

قدم قدم پہ برکتیں نفس نفس پہ رحمتیں  
جہاں جہاں سے وہ شفیع عاصیاں گزر گیا  
جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک  
وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا

راہ بر انسانیت ﷺ کی زندگی کا مطالعہ: رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ کے احوال زندگی کا مطالعہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے نہایت ضروری ہے بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی ایک فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے تو یہ مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ ہمیں خالق کائنات، مالک ارض و سموات نے اپنی کتاب قرآن مجید میں یہی حکم دیا ہے کہ آنحضور ﷺ کے نقش قدم پر چلیں ان کی اتباع کریں لیکن ایک غیر مسلم کے لیے راہ بر انسانیت ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس لیے ایک فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے کہ نوع انسانی میں سے 'مرد کامل' کا صرف یہی ایک نمونہ ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے، اتباع کرے یا انکار، لیکن یہ جان لینا تو ہر آدمی پر فرض ہے کہ ہر پہلو سے کامیاب و کامران اور ہر اعتبار سے مکمل انسان کیسا ہوتا ہے۔ کون بد نصیب ہوگا جو یہ نہ چاہے کہ اسے ایک ہامقصد اور کامیاب زندگی میسر ہو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کامیاب زندگی کیسی ہوتی ہے اور کیا اس کا کوئی مکمل نمونہ ہمیں نظر آتا ہے۔ کہ ہم اس سے کچھ سیکھیں اور کچھ حاصل کریں۔

جن چند لوگوں کی زندگیوں کا حال ہمیں معلوم ہے اگر ان کی زندگیوں پر غور کیجئے، پیدائش اور موت پر تو یقیناً کسی کو بھی اختیار نہ تھا۔ لیکن سن بلوغ سے موت تک جو کچھ وہ اپنے ارادے و اختیار سے کرتے رہے، ان اعمال و افکار میں انھوں نے اپنے ارادہ و اختیار کو کس کس طرح استعمال کیا اور وہ اپنے مقاصد زندگی میں کس حد تک کامیاب ہوئے۔ اور یہ بھی دیکھئے کہ انھوں نے اپنے ایک رخ کی تکمیل کے لیے زندگی کے دوسرے رخوں کو نظر انداز تو نہیں کر دیا۔ مثلاً ایک شخص روحانی سکون حاصل کرنے کے لیے بیوی بچوں کو چھوڑ کر پہاڑوں کی غاروں میں جا بیٹھا تو اس کی زندگی اور پہاڑ کی چٹان میں کیا فرق باقی رہا۔ دوسرا انسان بیوی بچوں اور عیش و عشرت دنیا میں اس طرح الجھا کہ ساری کائنات سے غافل ہو گیا تو اس کی زندگی اور جانوروں کی زندگی میں کیا فرق باقی رہا۔ انسانی زندگی تو مختلف اور متنوع فرائض و واجبات کا مجموعہ ہے۔

اور ان ہی کی اچھی طرح تکمیل سے زندگی کا کمال وابستہ ہے۔

**انسان کامل:** دنیا کی تاریخ میں راہ بر انسانیت ﷺ کے سوا کوئی ایک شخص بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا جو ہمارے لیے ان تمام حالات میں نمونہ کا کام دے سکے۔ بہت سے فاتحین، کشورکشوں کا حال ملتا ہے۔ بہت سے فلسفیوں کے افکار ملتے ہیں۔ بہت سے تارک الدنیا لوگوں کے تذکرے ہم سنتے ہیں۔ ان کی سر بلندیاں سر آنکھوں پر۔ اس سے انکار نہیں مگر کامل راہ بر انسانیت ﷺ صرف اور صرف آنحضور ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ آپ ﷺ کا شخصی کردار، رحمت، رافت، شفقت، خشیت، عبادت، شجاعت، عدالت، صداقت، سخاوت، فراست، ایثار، احساس ذمہ داری، عاجزی، تواضع، صبر، توکل، دانش مندی وغیرہ وغیرہ سب کی کیفیات اور ان کے عملی نمونے ہمیں آپ کی زندگی میں ملتے ہیں۔ جماعتی زندگی میں اچھے دوست، اچھے ساتھی، شفیق سردار اور مساکین کے سرپرست و مددگار کا بہترین نمونہ ہمیں آپ ﷺ کی ذات میں ملتا ہے اسی طرح آپ ﷺ کی گھریلو زندگی میں اچھے شوہر، اچھے باپ، اچھے نانا کے اعلیٰ نمونے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ملی و قومی زندگی میں عدل، انصاف، فوجوں کی کمانداری، انتظامات حکومت، رعایا پروری، سیاسی سمجھ بوجھ، دوستوں کی دلداری، دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک ایسا مکمل جامع اور اتنا بہترین نمونہ ہمیں سیرت طیبہ میں دکھائی دیتا ہے۔ کہ دیا کہیں اور نہیں دکھائی دیتا اور کمال یہ ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے یہ سارے نمونے صرف ایک مقدس و مکمل راہ بر انسانیت ﷺ میں مل جاتے ہیں۔

**راہ بر انسانیت بحیثیت ذی وقار شہری:** آنحضور ﷺ کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک کی اور دوسرا مدنی مدینے میں آپ ﷺ کی پوزیشن اول شہری کی تھی۔ اس لیے وہاں کام کی نوعیت بھی مختلف تھی۔ مکے میں عام شہری اور پھر داعی اسلام کی حیثیت سے جو کام کیا وہ قدرے مختلف ہے ایک شہری کی حیثیت سے آپ ﷺ نے ہمیشہ ہمسایوں کا خیال رکھا۔ ایک شہری کی وسیع ذمہ داری یہ ہے کہ پوری انسانیت کی فلاح و بہبود اور پورے معاشرے کی بھلائی کے لیے کام کرے بالخصوص معاشرے کے گرے پڑے افراد کے لیے تنگ و دو کرنا انسانیت کی ہمدردی اور خدمت ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے بطور شہری خدمت خلق میں بے نظیر نمونہ چھوڑا ہے۔

**صادق و امین تاجر:** رسول اکرم ﷺ نے معزز قبیلے میں تو جنم لیا ہی تھا آپ ﷺ نے اپنے کردار اور طرز عمل سے اپنی عظمت اور وقار کو قائم رکھا اور رہتی دنیا تک تمام انسانیت کے لیے راہ نما اصول چھوڑے۔ آپ ﷺ نے ایک تاجر کی حیثیت سے جب کام شروع کیا تو اپنے ذاتی کردار

سے برتر عملی نمونہ پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ کے شرکائے تجارت کی شہادتوں سے جو احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس کام کو کس دیانتداری اور راست بازی سے انجام دیتے تھے۔ تاجر کے محاسن اخلاق میں سب سے زیادہ نادر مثال ایفاءِ عہد اور اتمامِ وعدہ کی آنحضور ﷺ بہترین مثال تھے۔ آپ ﷺ کی دیانت اور حسن معاملہ کی وجہ سے آپ ﷺ کو امین کا لقب دیا گیا۔ دشمن بھی آپ ﷺ کے حسن معاملہ، ایفاءِ عہد اور صداقت کے قائل تھے۔

اولوالعزم مبلغ وداعی: تبلیغ ایک مقدس فریضہ ہے۔ جس کا مقصد صداقت و حقانیت کو پھیلانا اور لوگوں کو اس کا قائل کرنا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بابرکت شخصیتیں تاریخ انسانی میں تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہی ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں حق و صداقت کی کوئی کرن نظر آتی ہے۔ اس کا باعث یہی نفوس قدسیہ ہیں۔ ان تمام بزرگوں میں حضور ختمی مرتبت ﷺ کو منفرد مقام حاصل ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی تبلیغی مساعی کے ثمرات خود دیکھے ہیں۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے اس پہلو کا مطالعہ دعوت و تبلیغ کا جذبہ رکھنے والے کارکنوں کے لیے بے حد افادیت کا حامل ہے۔

کامیاب ترین داعی انقلاب: حضور ﷺ اس دنیا کے سب سے بڑے انقلابی ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ نے طاغوتی نظام کو بدل کر الہی نظام قائم کیا۔ اور کفر کے سیاسی غلبے کو مٹا کر اسلام کو غالب قوت کے طور پر مستحکم کیا۔ تاریخ عالم انقلابات و تغیرات سے لبریز ہے۔ دنیا کی کوئی قوم اور کوئی عہد انقلاب کی زد سے نہیں بچ سکا خواہ اس انقلاب کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ انقلاب سے مراد بالعموم ایسا عمل ہوتا ہے۔ جس سے کسی معاشرے کا نقشہ بدل جائے۔ چنانچہ راہِ بر انسانیت ﷺ نے غیر متمدن عرب بدوؤں میں ایسا انقلاب برپا کیا کہ ان کی کایا پلٹ کے رکھ دی۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے  
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو میجا کر دیا

راستے میں ملنا تو اسے سلام کرے اور اٹھا کر پیچھے چلا جائے۔

## آنحضور ﷺ بحیثیت معلم و مُزنگی

**بعثت نبوی:** قبل از اسلام اہل عرب کے ہاں علمی اور تدریسی روایت موجود نہ تھی وہ تہذیب اور تعلیمی مراکز سے دور صحراؤں اور ریگستانوں میں سادہ اور فطری زندگی گزارتے تھے۔ ان کے قافلے تلاش رزق میں مسلسل سرگردان رہتے تھے۔ ایسی خانہ بدوش زندگی میں تعلیم و تدریس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان حالات میں نبی کریم ﷺ عرب کے مرکزی شہر مکہ میں مبعوث

ہوتے ہیں جہاں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔  
 امی عربوں کے امی نبی پر اللہ کی طرف سے جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ یہ تھی:  
 ”اقْرَأْ“ پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔  
 پڑھ اور آپ کا رب سب سے بزرگ ہے جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو سکھایا جو وہ نہیں  
 جانتا تھا۔ (علق: ۵۱: ۵۲)  
 اس پہلی وحی نے ہی بتا دیا کہ اسلام ”دین علم“ ہے اور آنحضور ﷺ اس علمی تحریک کے

سربراہ ہیں۔  
 قرآن مجید سورہ آل عمران آیت ۱۶۳ میں آنحضور ﷺ کو بحیثیت معلم اس طرح پیش کرتا ہے:  
 يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ  
 ترجمہ: وہ رسول انھیں آیات قرآن پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کا تزکیہ اخلاق کرتا ہے اور انھیں  
 کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

آنحضور ﷺ ختم الرسل تا قیامت راہ بر اور معلم انسانیت ہیں اس چیز کو آپ ﷺ نے خود فرمایا ہے:  
 إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا یعنی مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے (بخاری و مسلم)  
 گویا آنحضور ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی دنیا میں اشاعت علم و حکمت تھا۔ آپ ﷺ کو معلم  
 بنانے والی ہستی خود ذات باری تعالیٰ ہے۔ اس طرح آپ ہی صحیح معنوں میں تلمیذ الرحمن ہیں۔  
 دنیا کے جدید اور قدیم علوم آپ ﷺ ہی کے فیوض و برکات ہیں اور آپ ﷺ ہی مدینہ العلم یعنی  
 علم کا شہر ہیں اس کے باوجود آپ ﷺ ہمیشہ اپنے علم میں اضافہ کی دعا فرمایا کرتے تھے۔  
 رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ”اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔“ (طہ: ۱۱۴)



## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی



**تبلیغی دین:** اسلام تبلیغی دین ہے، اسلام کی بنیاد اس کی اشاعت اور وسعت، حکیمانہ تبلیغ پر منحصر ہے۔ امت مسلمہ اس وقت تک خیر امت اور امت وسط ہے جب تک وہ من حیث الجماعت خیر کی دعوت، معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۰۴ میں ارشاد الہی ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○

ترجمہ: ”اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت رہے، وہ بھلائی کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔“  
پہر امت مسلمہ کے ہر فرد کا فریضہ منکر کی مخالفت ہے۔ جس کے حدیث نبوی میں تین مراتب بیان کیے گئے ہیں۔ اول قوت و طاقت کا استعمال، دوم زبان سے تبلیغ اور تیسرے یہ کہ برائی سے قلبی نفرت اور عدم تعاون۔

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَٰلِكَ أَوْفَى الْإِيمَانِ (مشکوٰۃ)

دین اسلام فقط نظریات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ ایک اصلاحی تبلیغی اور دعوتی تحریک ہے جس کا اولین مقصد نیکیوں کی اشاعت اور برائیوں کا سدباب ہے۔ اسلام ایک فکری نظام ہی نہیں بلکہ ایک انقلابی تحریک ہے جس کا مطالبہ ہے کہ اسلام کو عملاً دنیا میں رائج کیا جائے۔ وہ ایک غالب قوت کے طور پر قائم رہے اور غلبہ دین حق ہی کو ہوتا ہے کہ وہ آخر کار تمام ادیان پر غالب آ جائے۔ سورۃ الصف کی آیت ۹ میں ارشاد الہی ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

ترجمہ: ”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔“

ایک مسلمان کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لیے ہمیں ہر شعبہ میں سرکار دو عالم کی راہ نمائی کی ضرورت ہے اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ پوری انسانیت کے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۱ میں فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

ترجمہ: ”بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔“

دعوت دین اور تبلیغ میں بھی آپ ﷺ ہمارے لئے بہترین اسوہ ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی زندگی سراپا دعوت و تبلیغ ہے لہذا دعوت دین میں نبی کریم کا طریقہ کار اور مساعی جلیلہ ہم ذیل میں تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

**پہلی وحی:** جب نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک ۴۰ برس ہوئی تو ۹ ربیع الاول بمطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ کو آپ ﷺ غار حرا میں عبادت میں مصروف تھے کہ اچانک حضرت جبرائیل علیہ السلام نمودار ہوئے اور فرمایا: ”خوشخبری ہو! آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔“ اس کے بعد روح الامین نے کہا: ”اقْرَأْ (پڑھیے)“ آپ ﷺ نے جواب دیا: ”مَا أَنَا بِقَارِئٍ“ (میں پڑھنا نہیں جانتا) پھر حضرت جبرائیل نے آپ ﷺ کو کہا پڑھیے۔ آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو تیسری مرتبہ اپنے سینے سے لگا کر بھیجا اور کہا پڑھیے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (بورہ علق: ۵ تا ۱)

پڑھیے اللہ تعالیٰ کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو لوتھرے سے۔ پڑھیے اور آپ کا

فرض خفیہ طور پر انجام دیتے رہے اور خاص لوگوں کو دعوت دی۔

دوسرا دور: اعلانیہ تبلیغ کا ہے یہ دور ۵۴ نبوی کا ہے۔

تیسرا دور: جب تحریک اسلامی بڑھتی گئی تو پھر ظلم و ستم کا دور شروع ہوا اور مسلمانوں پر زیادتیوں ہونے لگیں۔ یہ دور تقریباً پانچ چھ سال تک رہا۔ اس میں مسلمانوں کو طرح طرح کی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ دور پانچ نبوی سے ۱۰ نبوی تک ہے۔

چوتھا دور: ۱۰ نبوی حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد سے لے کر ہجرت نبوی تک تقریباً تین سال۔ یہ دور حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے لیے انتہائی سختی اور مصیبت کا زمانہ تھا حتیٰ کہ اہل مکہ آپ ﷺ کے قتل یا قید کرنے کی سازش کرنے لگے۔ پہلا دور ”خفیہ دعوت دین“ دوبارہ وحی کے شروع ہونے سے آپ ﷺ اٹھے اور اس کام کے لیے کمر باندھ لی جس کے لیے آپ ﷺ کو بلایا گیا تھا۔ اس کا خیر کا آغاز آپ ﷺ نے اپنے گھر سے کیا کیونکہ تبلیغ کی ایک بنیادی روح حکمت ہوتی ہے۔ اس کے تحت آپ ﷺ نے خفیہ طریق سے تبلیغ شروع کی، یعنی صرف ان لوگوں تک پیغام پہنچایا جو خاص اعتماد کے آدمی تھے اور آپ ﷺ کو قریب سے جانتے تھے۔

دعوت گھر سے: جس وقت آپ ﷺ کو تبلیغ کا حکم ملا تو اس حکم کی تعمیل سب سے پہلے اپنے گھر سے شروع کی۔ اس وقت آپ ﷺ کا کنبہ تین افراد پر مشتمل تھا۔

- ۱۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا طاہرہ جو آپ کی نہایت غمگسار ہمدرد اور جان نثار بیوی تھی۔
- ۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو ابوطالب کے فرزند اور آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان کی پرورش اور تربیت آپ ہی کی نگرانی میں اور زیر سایہ ہو رہی تھی۔
- ۳۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ کے غلام تھے اور جن کو اگرچہ آپ ﷺ نے آزاد کر دیا تھا مگر انھوں نے آپ ﷺ کی غلامی سے نکلنا نہ چاہا اور ساری عمر انتہائی وفاداری کے ساتھ آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔

ان تینوں نے بلا تامل نہایت کھلے دل سے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا بلکہ ج تو یہ ہے کہ یہ تینوں تبلیغ سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے کیونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پندرہ برس تک آپ ﷺ کی اعلیٰ معیار زندگی کو نہایت قریب سے مطالعہ کیا تھا اور آپ ﷺ کے ایک ایک قول و فعل کو بغور دیکھا تھا جس کے نتیجے میں ایک لمحہ بھی انھیں آپ ﷺ کی

مداقت پر شبہ نہیں ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بچپن کا تمام عرصہ آپ رضی اللہ عنہ کی تربیت کا مہونہ منت تھا، پس ان کی پاک فطرت کس طرح پیغام الہی کو قبول کرنے سے انکار کر سکتی تھی۔ حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ ہمدردی اور احسان کا جو اعلیٰ ترین نمونہ آپ رضی اللہ عنہ دکھا چکے تھے اس نے ہمیشہ کے لیے ان کو بندہ بے دام بنا دیا تھا، لہذا یہ تینوں نفوس قدسیہ اولین مسلمان تھے۔

**گھر سے باہر افرباء اور احباب کو دعوت:** گھر کے آدمیوں کو تبلیغ کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ

نے باہر تک پیغام پہنچانے کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے گہرے دوست ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضور رضی اللہ عنہ سے دو سال چند ماہ چھوٹے تھے۔ ہم عمری، پیشے میں اشتراک، طبائع میں یک جہتی، قریش کے بت پرستانہ عقائد سے نفرت اور اخلاق ذمیمہ سے اجتناب ان سب باتوں نے دونوں دوستوں کے تعلقات محبت پروان چڑھانے میں مدد دی اور یہ دوستی وفکری وحدت ان کے سب سے پہلے اسلام لانے کا محرک ہوئی۔ پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ترغیب اور ہدایت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کا سارا خاندان سب سے پہلے اسلام لائے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ (عامر بن الجراح) حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبیدہ بن الحارث عبدالمطلب اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی چچا عباس کی بیوی ام الفضلؓ، اسماء بنت عمیسؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قاترہ بنت خطابؓ ایمان لائیں۔ یہ سب ”السابقون الاولون“ میں شامل ہیں۔

اس ابتدائی دور میں آنحضرت رضی اللہ عنہ نے جن باتوں کی تبلیغ کی وہ دین کے بنیادی عقائد تھے۔

۱۔ توحید ۲۔ رسالت ۳۔ ایمان بالآخرت۔

ان تینوں باتوں کا جامع کلمہ شہادت ہے یعنی میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

**نماز کا حکم:** مذکورہ بالا بنیادی عقائد بیان کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے جس رکن عظیم کی سب سے پہلے تعلیم و تلقین کی وہ نماز ہے۔

**نقیہ ملاقاتیں:** اب تک جو کچھ ہو رہا تھا وہ پوشیدہ طور پر ہو رہا تھا۔ احتیاط کی جاتی تھی کہ قابل

اعتماد لوگوں کے علاوہ بات کہیں باہر نہ جائے۔ اس وقت اگرچہ اسلام قبول کرنے والے شخص



## حضور مصلیٰ علیہ السلام بطور مدبر و منتظم



نبی اکرم مصلیٰ علیہ السلام دنیا کے عظیم ترین مدبر تھے۔ آپ مصلیٰ علیہ السلام کے معاہدات اور مذاکرات اس امر کے غماز ہیں کہ آپ مصلیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ تصادم سے بچنے کی کوشش فرمائی۔ آخری راستے کے طور پر ہی تصادم کو اختیار فرمایا۔ اعلان نبوت سے پہلے اور بعد کے بے شمار ایسے واقعات ہیں جن سے آپ مصلیٰ علیہ السلام کی سیاسی بصیرت اور تدبر کا اندازہ ہوتا ہے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں:

**حلف الفضول:** قبائل قریش عبداللہ بن جدعان کے گھر اکٹھے ہوئے جہاں یہ معاہدہ تحریر ہوا۔ اس معاہدہ کی واحد دفعہ یہ تھی کہ کوئی عرب مظلوم کے مقابلے میں ظالم کی حمایت نہیں کرے گا۔ مولانا حامد انصاری اپنی تالیف ”اسلام کا نظام حکومت“ میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی تاریخی زندگی میں یہ پہلا اجتماع تھا جس میں آپ ﷺ نے شرکت فرمائی۔ نوجوانی کے عالم میں بھی آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت میں قوت فیصلہ کا جو ہر موجود تھا۔

**حجر اسود کا واقعہ:** کعبہ کی تعمیر کے موقع پر مکہ مکرمہ کے مختلف قبائل حجر اسود کو اپنی جگہ نصب کرنا اپنا حق سمجھتے تھے۔ خوزیز تصادم کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ حضور ﷺ نے کمال فراست اور تدبیر سے اس مسئلے کو حل فرمایا۔ آپ ﷺ نے حجر اسود ایک چادر میں رکھ کر تمام سرداروں سے فرمایا کہ سبھی اس چادر کو اونچا اٹھالیں جس میں حجر اسود رکھا گیا اور اس مقام تک پہنچا دیں جہاں یہ نصب ہوتا ہے۔ جب حجر اسود مطلوبہ مقام پر پہنچ گیا تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے خانہ کعبہ میں لگا دیا۔

**میثاق مدینہ:** میثاق مدینہ ایک تاریخی عہد نامہ ہے۔ یہ عہد نامہ امت مسلمہ کے لیے ایک مشعل راہ ہے۔ اس معاہدے سے بھی آپ ﷺ کا تدبیر اور حسن سیاست واضح ہوتا ہے۔ اس معاہدے سے مدینہ منورہ امن و آشتی کا گہوارہ بن گیا۔ اس کی اہم شقیں حسب ذیل تھیں:

- ۱۔ یہود اور مسلمان اپنے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہوں گے۔
- ۲۔ ان کے معاملات خیر خواہی خیر سگالی اور نیکی و بھلائی کے ہوں گے۔
- ۳۔ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

۱۔ یثرب پر حملے کی صورت میں یہود و مسلمان ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔  
 - سیاسی قانونی اور عدالتی لحاظ سے آخری مختار (Authority) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس قرار پائی۔

**الح حدیبیہ:** صلح حدیبیہ بھی آپ ﷺ کے سیاسی تدبیر کی ایک منہ بولتی تصویر ہے۔ آپ ﷺ اس فیصلے سے خطے میں امن و امان بہتر ہو گیا۔ خوزیزی رک گئی۔ تجارتی آمد و رفت بڑھ۔ اسلام کی قبولیت میں اضافہ ہوا۔ مسلمانوں کو بنو خزاعہ کی صورت میں ایک وفادار دوست میسر آیا۔

**مکہ:** فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کا اعلان حضور ﷺ کے سیاسی تدبیر کا ثبوت ہے۔ اس

آپ ﷺ کو اپنی زندگی میں مختلف قسم کے مراحل پیش آئے ایک طویل عرصے تک آپ ﷺ نے نہایت مظلومیت کی زندگی بسر کی۔ کچھ عرصے کے بعد آپ ﷺ کو اقتدار اور طاقت بھی حاصل ہوئی۔ اس دوران آپ ﷺ کو حلیفوں اور حریفوں سے مختلف قسم کے سیاسی اور تجارتی معاہدے کرنے پڑے۔ دشمنوں سے متعدد جنگیں لڑنی پڑیں۔ عہد توڑنے والوں کے خلاف جوابی اقدامات کرنے پڑے۔ قبائل کے وفود سے آپ ﷺ نے ملاقاتیں بھی کیں بیرونی طاقتوں کے خلاف فوجی اقدامات بھی کیے۔ یہ سارے کام سرانجام دینے میں آپ ﷺ نے نہ کوئی جھوٹا وعدہ کیا نہ اپنی کئی ہوئی بات سے انکار کیا اور نہ ہی کسی معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ آنحضور ﷺ کا اگر دوسرے مدبرین اور اہل سیاست سے موازنہ کیا جائے تو یہ بات بلاخوف و تردید کہی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا دنیا کا کوئی مدبر اس معیار پر پورا نہیں اترتا۔ اہل سیاست و اقتدار کے لیے طمطراق اور طاقت کی نمائش ایک لازمی جزو سمجھا جاتا ہے۔ جہاں جہاں وہ زندگی میں ظاہر ہوتے ہیں ان کے حق میں نعرے بلند کرائے جاتے ہیں۔ ان کی شان میں فہرے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے لئے محل اور دیوان سجائے جاتے ہیں۔ ان کے لیے خاص سواریوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ان کے گزرنے کے راستوں کو عوام کے لیے بند کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے نبی ﷺ نے ان میں سے کسی چیز کو بھی نہیں اپنایا۔ مجلس میں تشریف رکھتے تو لوگوں میں اس طرح گھل مل کر بیٹھتے کہ دیکھنے والوں کو یہ فرق کرنا مشکل ہو جاتا کہ ان میں سے ہر (ﷺ) کون ہیں۔ آپ ﷺ کے پاس نہ کوئی خاص سواری تھی نہ محلات اور دیوان تھے۔ آپ ﷺ کے لیے نہ کوئی خاص گاڑی تھی نہ لباس دن میں پہنتے رات کو اسی میں آرام فرماتے اور صبح کو وہی لباس پہن کر قبائل کے وفود اور غیر ملکی سفیروں سے ملاقات کرتے۔

اپنے جانشین تیار کرنا: حضور اکرم ﷺ کے تدبیر اور سیاست کا ایک اور پہلو بھی قابل ذکر

ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک ایسی جماعت مرتب کر کے تیار کر دی جو آپ ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب کو آگے بڑھانے اور اس کو مستحکم کرنے کی پوری طرح اہل تھی۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد اس انقلاب نے آس پاس کے دوسرے ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لیکن اس انقلاب کی قیادت کے لیے موزوں اور اہل اشخاص کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ آس پاس کے جن علاقوں میں اسلام نے قدم رکھا۔ وہ نہایت ترقی یافتہ اور طاقتور قوموں کا مسکن تھے۔ لیکن اسلامی انقلاب نے ان کو ان کی جڑوں سے اکھاڑ پھینکا اور ان علاقوں میں اسلامی تہذیب و تمدن کی برکتیں پھیلا دیں۔

تدبر نبوی کا ایک شاہکار: بلاشبہ صلح حدیبیہ تدبر نبوی ایک شاہکار ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ سے شمال میں خیبر اور یتھاء کے علاقے یہودی قوت کے مرکز تھے۔ مشرق میں فزارہ اور غطفان کے قبائل یہودیوں کے حلیف تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی تاک میں رہتے تھے۔ جنوب میں مکہ تھا۔ جس کی جنگی حیثیت واضح تھی۔ یہ سب عناصر غصے سے سب قرار مسلمانوں کے خلاف ہلے بولنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ اگر یہ سہ فریقی قوت مدینے پر حملہ کر دیتی تو اس کی مدافعت آسان نہ تھی۔

مسلمانوں کو ضرورت اس بات کی تھی کہ مکہ اور خیبر دونوں قوتوں کو تباہ کر دیا جائے۔ مگر مسلمانوں کے پاس اتنی قوت نہ تھی کہ ایک ہی وقت میں طاقت کے دونوں مرکزوں پر حملہ کر سکتے۔ مسلمان اگر مکہ کی طرف جاتے تو خیبر اور غطفان مدینے پر چڑھ دوڑتے اور اگر مسلمان خیبر کا رخ کرتے تو یہ خدشہ تھا۔ مکے والے آ کر مدینہ کو نہ لوٹ لیں۔ ان نازک حالات میں تدبر کا تقاضا یہی تھا کہ ایک فریق سے صلح کر کے اسے اپنا طرفدار بنا دیا جائے اور جب ایک فریق سے فراغت ہو جائے دوسرا خود ہی ہتھیار ڈال دے گا اور اسے مخالفت کی جرأت نہ ہوگی۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ذیقعد کے مہینے میں چودہ سو آدمیوں کے ساتھ مکہ کا رخ کیا اور وہاں حدیبیہ کے مقام پر اپنا پڑاؤ ڈال دیا جس کے بعد سفارتی سرگرمی شروع ہو گئی جو آخر کار صلح حدیبیہ پر منتج ہوئی۔

بظاہر یہ صلح مسلمانوں کی شکست کے مترادف تھی اور بہت سے سرکردہ صحابہؓ معاہدے کی شرائط پر رنجیدہ خاطر بھی ہوئے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ جیسے ماہر سفارت کار بھی اپنی بے چینی کو نہ چھپا سکے۔ لیکن عرب کا نابھہ روزگار مدبر جانتا تھا کہ اس صلح سے فتح کے دروازے کھلے والے ہیں چنانچہ قرآن نے بھی اس صلح کو ”فتح مبین“ اور نصر عزیز کے ناموں سے یاد کیا ہے چنانچہ نتیجہ وہی نکلا جس کی رسول ﷺ کو توقع تھی۔ چند ہی دنوں میں مسلمانوں کے ہاتھ کھل گئے اور فوری خطرات سے نجات ملنے پر حضور ﷺ نے تین ہی سال میں پُر امن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنا تابع فرمان بنا لیا اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات کو ختم کر کے ایک مضبوط حکومت قائم کر دی یہی وہ صلح حدیبیہ ہے جس کو نبوی سیاست کا شاہکار کہنا چاہیے۔

آپ کے اعلیٰ تدبر اور بے مثال انتظام کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۳ سال کے قلیل عرصے میں عرب جیسی جھگڑالو اور بے مہار قوم کو ایک منظم اور منفرد قوم میں بدل دیا اور صحیح معنوں میں شتر بانوں کو جہانیاں لوں کا مدبّر دے دیا۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے  
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

## رسول اکرم ﷺ بحیثیت حکمران

(۱) حکمرانی کی تربیت: آنحضور ﷺ کے دادا قبیلہ قریش کے سردار تھے اور یہ بات آپ کے خون میں شامل تھی کہ وہ موروثی طور پر ایک حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ دادا کے انتقال کے بعد سرداری دوسرے خاندان میں چلی گئی تھی اور آپ ﷺ کے دل میں اس سرداری کو حاصل کرنے کا خیال کبھی پیدا نہیں ہوا تھا۔

تحقیق کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کے زمانے میں عرب میں کسی ملک کا قیام ایک واقعی مشکل کام تھا۔ پورے ملک میں کوئی حکومت نہ تھی۔ بعض علاقوں پر چھوٹے چھوٹے شاہی خاندان حکمرانی کر رہے تھے۔ اور ان چھوٹی حکومتوں پر بھی غیر ملکی استعمار کا غلبہ تھا۔ مثلاً شام کے سرحدی علاقوں میں بوعستہ کی حکومت اور حیرہ میں حمی خاندان کی حکومت وغیرہ۔

عرب کے اندرونی حصوں میں صرف قبائلی حکومت تھی۔ جن کے درمیان سخت رقابتیں اور موروثی جھگڑے صدیوں سے چلے آ رہے تھے۔ حضور ﷺ کا ان مرکز گریز قوتوں کو یکجا کرنا ان میں معاشرتی اور اخلاقی اصلاحات نافذ کرنا، عرب علاقوں کو غیر ملکی استعمار سے آزاد کرانا، ان کا اتحاد کرنا یہودی اور نصرانی مخالفتوں سے نمٹنا اور ایک حکومت کی قانونی اور معاشرتی انتظامی ضروریات کو نئے سرے سے مہیا کرنا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ جس کی نظیر دنیا کے کسی حصے میں نہیں مل سکتی۔

حکومت کے ذرائع: کسی بھی حکومت کے قیام کے لئے دو بڑے اہم ذریعے ہوتے ہیں۔

پہلی زر اور زور (فوج) ان میں سے ایک بھی آپ ﷺ کے پاس نہ تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ ﷺ صرف حکومت کرنے کی غرض سے حکومت قائم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ کا عظیم ترین مقصد بڑے رسوم و رواج کو مٹانا اور اسلام کی تبلیغ کرنا تھا۔ یعنی حکومت کا مقصد صرف اور صرف قوم کی اصلاح تھا۔ ابتداء میں آپ ﷺ کے پیروکار عام طور پر مفلس، غریب افراد ہی تھے۔ جن سے امداد تو کیا خود ان کے جان و مال کی حفاظت بھی مشکل تھی اور زر کے معاملے میں آنحضور ﷺ کا دامن ہمیشہ ہی خالی رہا۔

**حکومت کی ابتداء:** چالیس سال کی عمر تک پہنچنے اور ربانی ہدایت حاصل کرنے پر آنحضور ﷺ نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اس سے زیادہ سخت کام کوئی نہیں تھا۔ چند سال کی خفیہ اور اعلانیہ تبلیغ کے بعد آپ ﷺ کو قوم کے کچھ اعلیٰ دماغ مل گئے۔ جو آپ ﷺ کی تعلیم کے ایسے شیدائی ہوئے کہ دل و جان سے آپ ﷺ کی تعلیم کو پھیلانے پر آمادہ ہو گئے۔

**ترک وطن:** جب تبلیغ کی آزادی اور حریت خیال کی مزاحمت شروع ہوئی تو اس کی شدت کے باعث آنحضور ﷺ کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا اور یہی واقعہ حکومت کے قیام کی تحریک کا پہلا باعث بنا۔ مدینہ منورہ آتے ہی آپ ﷺ نے اپنے تمام ساتھیوں کو اتحاد اور اتفاق کی لڑی میں پرو دیا۔ آپ ﷺ نے یہ انتظام فرمایا کہ مہاجرین کا مدینے کے انصار کے ساتھ بھائی چارہ یعنی عہد مواخات قائم ہو جائے۔ اس سے کئی فائدے حاصل ہوئے۔ قبائلی تعصب اور علیحدگی کا مکمل خاتمہ ہوا تمام مسلمانوں میں بلا امتیاز رنگ، نسل اور قبیلہ اخوت اور باہمی امداد کی حقیقی روح کام کرنے لگی۔

اس طرح آنحضور ﷺ نے مدینے میں موجود قوتوں کو ایک مرکز کے تحت متحد کر لیا۔ بلکہ ان میں اعلیٰ درجے کا نظم و ضبط بھی پیدا فرما دیا۔ مدینہ آنے کے بعد آپ ﷺ نے اجنبی قوتوں مثلاً یہود اور کافرو مشرک قبائل کے ساتھ معاہدے کرنے شروع کر دیئے۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ قریش کے منصوبوں کے خلاف حامی و مددگار پیدا کر کے قومی حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔ چنانچہ یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا اس کی شقیں یہ تھیں۔

- 1- خون بہا اور فدیے کا جو طریقہ پہلے سے قائم ہے۔ اب بھی قائم رہے گا۔
- 2- یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی معاملات سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

- 3- یہود اور مسلمان ایک دوسرے سے دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔
- 4- لڑائی پیش آنے کی صورت میں ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
- 5- کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔

- 6- مدینے پر حملہ ہوا تو دونوں فریق مشترکہ دفاع کریں گے۔
- 7- اگر ایک فریق کسی دشمن سے صلح کرے گا تو دوسرا بھی صلح میں شریک ہو گا۔ لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

اس قسم کا ایک معاہدہ قبیلہ بنو نضمرہ کے ساتھ بھی کیا۔ ان انتظامات کے ساتھ تبلیغ اسلام کا کام بھی برابر جاری رہا۔

مدینہ میں رہتے ہوئے آنحضور ﷺ کو قریش کی مسلح طاقت سے بچہ آزمائی کرنی پڑی۔ اعلیٰ حربی قابلیت اور فوجی نظم و ضبط کی وجہ سے آنحضور ﷺ کو قریش پر فیصلہ کن برتری حاصل ہوئی۔ قریش کا آخری اور سب سے بڑا دار جنگ خندق کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس مرتبہ بھی برتر صلاحیت اور اعلیٰ تدبیر و سیاست سے قریش کی قوت کو ناکام لوٹنا پڑا۔

ہجرت کے آٹھ سال بعد قریش کے مرکز یعنی مکہ معظمہ پر آنحضور ﷺ نے اس طرح لشکر کشی کی کہ قریش کو کان و کان خبر بھی نہ ہوئی اور اسلامی لشکر نے مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا۔ فوجی ڈسپلن کی یہ کیفیت تھی کہ ایک چھوٹی سی جھڑپ کے سوا کوئی کشت و خون نہ ہوا۔

آپ ﷺ نے اپنے سابقہ جانی دشمنوں کو یکسر معاف کر دیا اور ان کے قصوروں کو مکمل طور پر بھلا دیا۔ فتح مکہ کے بعد رسول کریم ﷺ کا اقتدار پورے جزیرہ عرب پر قائم ہو چکا تھا۔

استعماری قوتوں کے ساتھ تصادم: مدینہ کی اس چھوٹی سی سلطنت پر غیر ملکی استعمار کی نظریں پڑنا ناگزیر تھا۔ چنانچہ جنگ تبوک اور جنگ موتہ میں اسلامی قوتوں کو رومی استعمار کے ساتھ ٹکر لینا پڑی جو عربی سیاست کے آئندہ خدوخال متعین کرنے میں مددگار ثابت ہوئیں۔

حکومت کے مقاصد: تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی حکومت کے مقاصد دو ہیں۔

1- جنگ

2- عدل و انصاف کا قیام

دراصل یہ دونوں حفاظت حقوق کے دو ذریعے ہیں۔ جنگ غیر عدالتی ذریعہ ہے اور عدل و انصاف عدالتی ذریعہ ہے۔ آنحضور نے فوجی خدمت مسلمانوں پر لازم قرار دے دی اور حسب معمول اسے انسانی مزاج میں پختہ کر دینے کے لئے مذہبی رنگ دے دیا۔ (یاد رہے کہ تبدیل مذہب کے لئے جنگ کرنا یا جبر کرنا اسلام میں جائز نہیں)

حکومت کا دوسرا فریضہ عدل و انصاف کا قیام ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جماعت قوم اور اس کے افراد کی حفاظت اور صحیح نگرانی کی جاسکے۔ اس کے لئے آپ نے ایک مستحکم اور ترقی یافتہ ادارہ قائم کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امیر و غریب کے لیے ایک ہی جیسا قانون مقرر کیا

گیا قاضی وقت کے سامنے حکمران پر بھی مقدمہ دائر ہو سکتا تھا۔

قرآن مجید سورۃ النساء آیت 58 میں ہے:  
”اور جب تم لوگوں میں مقدمات کا فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ کرو“

دوسری جگہ سورۃ المائدہ آیت 8 میں ارشاد ہے:  
”کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو کہ یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔“

حضور ﷺ نے نہ صرف مقدمات کے فیصلے کا مستقل اور باقاعدہ انتظام فرمایا تھا۔ بلکہ قاضیوں کے تقرر اور ان کے لئے شہادت و قضا کے دستور العمل بھی مرتب کیے۔ ساتھ ہی پبلک کے لئے قانونی احکام دریافت کرنے پر مستند معلومات دینا یعنی افتاء اور اصلاح بین الناس کے انتظامات بھی شروع فرمائے تھے۔ (سیرت النبی شلی نعمائی)

اسلامی دستور: حکومت کے لیے دستور لازمی چیز ہے۔ حضور ﷺ نے ایک منتخب ذمہ دار حکومت کے لیے دستور العمل بھی بیان فرمایا۔ آپ ﷺ نے ملوکیت اور موروثیت کے بجائے منتخب حکومت کا تصور دیا۔ کیونکہ اس طرح بہترین صلاحیت اور قابلیت کا فرد حاکم اعلیٰ بنتا ہے۔ رسول ﷺ عالمگیر حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے ہر رنگ اور نسل کے مسلمانوں کے لئے ایک رشتہ مقرر کیا۔

قرآن کریم سورۃ آل عمران آیت 1 میں ارشاد فرمایا ہے:  
”اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ“  
یہ اللہ کی رسی قرآن مجید کے سوا اور کوئی چیز نہیں یعنی کتاب اللہ ہی امت کی مضبوطی کی ذمہ دار ہے۔

تعلیم و تبلیغ: حضور ﷺ نے مسلمانوں کی مذہبی اور عام تعلیم کے لئے خاص اہتمام فرمایا۔ جا بجا معلم بھجوائے۔ مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کے لئے جنگی قیدیوں کی خدمات بھی حاصل کیں۔ غیر مسلموں کی تبلیغ کے وسیع انتظامات فرمائے۔ مسلمانوں کا فریضہ قرار دیا گیا کہ ہر شخص دین کی تبلیغ کرے اور اعلاء کلمۃ اللہ میں حصہ لینے کی سعادت حاصل کرے۔

اسلامی حکومت کے دیگر ادارے: رسول کریم ﷺ نے گورنروں قاضیوں، اماموں، مبلغوں

اور معلموں وغیرہ کی تربیت کے لئے کئی انتظامات فرمائے۔ کسی عہدے پر مقرر کرنے سے پہلے

آنحضور ﷺ ان کو زبانی اور تحریری ہدایات دیتے تھے۔ مالیہ وصول کرنے والے عہدیداروں کو زکوٰۃ، عشر، خراج، جزیہ وغیرہ کی شرحیں تحریری طور پر لکھ کر دی جاتی تھیں۔

**حکمہ فوج:** حکومت کی بقاء اور ترقی کے لئے فوج ناگزیر ہے۔ آنحضور ﷺ نے عام فوجی تعلیم اور مستعدی کے لئے زبردست احکام دیئے۔ فوجی کمانڈروں کو جنگ اور اس کے متعلقہ امور پر مستقل ہدایات دیا کرتے تھے۔ مثلاً دشمن کی سر زمین میں سفر اور قیام کے آداب، دشمن کو اطاعت کی دعوت، جنگ نہ کرنے والوں کو قتل نہ کرنا، قیدیوں کا تبادلہ قیدیوں سے، حسن سلوک، زراعت اور عمارات کو تباہ نہ کرنا، زخمیوں کے لئے دوا پھانے وغیرہ۔

غرضیکہ اس سلسلے میں مفصل ہدایات قرآن اور احادیث رسولؐ میں ملتی ہیں۔ یہ ہے اسلامی حکومت کے قیام اور اس کی تنظیم و تکمیل کے متعلق ایک مختصر جائزہ جس سے رسول ﷺ کی بطور حکمران پالیسی کی واضح طور پر نشان دہی ہوتی ہے۔

### (ب) آنحضور ﷺ بحیثیت سپہ سالار

**تمہید:** آنحضور ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی سرد یا گرم جنگوں پر مشتمل ہے۔ حدیث سیرت اور مغازی کی کتابوں میں غزوات اور معرکوں کی طویل فہرست ملتی ہے۔ ان میں سے ۲۷ غزوات میں آپ ﷺ بہ نفس نفیس شریک ہوئے اور ۷۷ سرایا میں آپ ﷺ کی زیر ہدایت آپ ﷺ کے تابعین نے شرکت کی، ان تمام جنگی کارروائیوں کے نتیجے میں دس لاکھ مربع میل پر مشتمل وسیع اسلامی ریاست قائم ہوئی۔ مسلم شہداء اور کفار مقتولین کی تعداد جو ان جنگوں میں کام آئی ۲۵۵ اور ۷۹۹ علی الترتیب ہے۔ مسلمان مجاہدین کے جانی نقصان کی اوسط ایک ماہ میں ایک کس جنتی ہے۔ اس طرح جنگی قیدیوں کی کل تعداد ۶۵۶۳ ہے۔ جن میں صرف دو قیدیوں کو ان کے سنگین جرائم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ یہ اعداد و شمار آنحضور ﷺ کی جنگی فراست اور حربی صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ آپ ﷺ دنیا کے بہترین اور کامیاب ترین سپہ سالار تھے اور اس میزان میں بھی آپ ﷺ بہترین اسوۂ حسنہ ہیں۔ اب ہم آنحضور ﷺ کا بطور سپہ سالار اور اس سے متعلقہ مختلف پہلوؤں کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔



## آپ ﷺ کے اوصاف بطور سپہ سالار



**نظریہ جنگ میں تبدیلی:** آپ ﷺ قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر تھے۔ جنگ اور معرکہ میں آپ ﷺ نے الہی احکام کی پوری پوری پابندی کی ہے۔ آپ ﷺ تاریخ انسانی میں منفرد سپہ سالار ہیں۔ جنہوں نے جنگ کا مقصد اور نقطہ نظر ہی بدل دیا۔ عربوں میں جنگ کے لیے قرب کا کلمہ استعمال کیا جاتا تھا۔ جس سے مقصود ذاتی انتقام لینا، اپنی بہادری کا سکھ بٹھانا، ملک میں وسعت دینا اور دیگر دنیاوی و ادنیٰ خواہشات کی تکمیل تھا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص مال غنیمت کے لیے لڑتا ہے دوسرا شہرت کے لیے لڑتا ہے تیسرا قومی یا وطنی محبت کے لیے لڑتا ہے۔ ان میں سے کس کی لڑائی فی سبیل اللہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَاتَلَ لَتَكُونَ كَلِمَةً لِلَّهِ هِيَ الْعُلُكَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (بخاری و مسلم)

یعنی جو شخص صرف اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے لڑتا ہے بس اس کا لڑنا راہِ خدا میں ہے۔ اس طرح مسلمان کی لڑائی صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہے اور یہ عبادت خداوندی ہے۔ اس طرح راہِ خدا میں جان کا نذرانہ پیش کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی (اقبال)

پس آنحضور ﷺ نے اسلامی جہاد کا مقصد دعوت حق غلبہ اسلام ظلم کا خاتمہ اور اسلامی حکومت کا دفاع قرار دیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے جہاد کا عنوان دیکھئے۔)

**بہادر ترین سپہ سالار:** آپ ﷺ میدان جنگ میں شجاعت و بہادری کا پیکر ہوتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب جنگ بہت شدید ہو جاتی تو ہم آپ ﷺ کے سایہ عافیت میں پناہ لیتے تھے۔ آپ ﷺ دورانِ جنگ سب سے آگے ہوتے تھے تاکہ عام مجاہد کو حوصلہ اور دلولہ ملے۔ نیز آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ”ہمیشہ امن کے طالب رہو لیکن جنگ آہی پڑے تو ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو۔“ غزوہ حنین میں جب قبیلہ ہوازن کے دس ہزار تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ کی تو اکثر صحابہؓ کے قدم اکٹڑ گئے اور مسلمان پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن آپ ﷺ نہایت استقامت اور شجاعت سے اپنی جگہ پر جمے رہے۔ ادھر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ ادھر زبان مبارک پر رجز تھا۔ اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

یعنی میں پیغمبر صادق ہوں۔ میں فرزند عبدالمطلب ہوں۔“

الغرض آپ ﷺ شیخ 'صابر' صاحب استقامت نڈر اور اپنے اصولوں پر سختی سے کاربند رہنے والے بہادر ترین سپہ سالار تھے۔

**محبوب ترین سپہ سالار:** آپ ﷺ صحابہ کی آنکھوں کا تارا تھے۔ وہ آپ ﷺ سے ماں باپ اور مال و اولاد سے بھی زیادہ محبت کرتے تھے۔ اس لیے ہر مجاہد آپ ﷺ کی خاطر جان ہنسی پر رکھے پھرتا تھا۔ حتیٰ کہ خواتین تک میدان جنگ میں آپ ﷺ پر جان نثار کرنے کے لیے تیار رہتی تھیں۔ غزوہ احد کا واقعہ ہے کہ ایک انصاری خاتون کا بیٹا بھائی اور شوہر شہید ہو گئے۔ وہ مدینہ سے نکل کر میدان جنگ کی طرف دیوانہ وار آئی اور پوچھا آنحضور ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا: ”بمجد اللہ وہ خیریت سے ہیں۔“ بولی: ”نہیں مجھے دکھا دو کہ اپنی آنکھوں سے آنحضور ﷺ کو دیکھ لوں۔“ جب اس کی نگاہ چہرہ مبارک پر پڑی تو وہ محبت سے پکار اٹھی۔

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ ”آپ زندہ ہیں تو سب مصیبتیں بچ ہیں۔“

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

میں بھی۔ اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا

اے شہ دین تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

**بہترین مربی سپہ سالار:** جنگ میں انجام کار وہی فوج کامیاب ہوتی ہے جو اخلاقی و فوجی

محاسن سے متصف ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کی حربی صلاحیت کو بڑھاتے اور اخلاقی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دیتے تھے۔ ہر مسلمان اسلام کا غازی ہوتا تھا۔ صحابہ کرام کی تربیت میں نفس کشی اور سخت کوشی کی صفات خاص طور سے شامل تھیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو سخت کوشی، ریاضت اور مشقت طلبی کی تربیت اس قدر دی کہ غزوہ تبوک کے موقع پر انھیں روزانہ ایک کھجور پر گزارہ کرنا پڑا اور وہ بھی تین تین آدمیوں میں تقسیم ہوتی تھی۔ اس طرح آپ ﷺ نظم و ضبط کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اطاعت امیر کی تلقین کرتے تھے۔ ذوق یقین اور مقصد جہاد کو پیش نظر رکھتے تھے۔ اخلاقی تربیت کو آپ ﷺ اولیت دیتے تھے۔ صدق ایفاء عہد، دیانت اور ایمانی قوت صحابہ میں بدرجہ اتم موجود تھی جس کا نتیجہ تھا کہ اسلامی فوج ہر معرکہ میں اپنے سے کئی گنا دشمن کو شکست فاش دیتی تھی۔

**اعلیٰ جنگی حکمت عملی:** آپ ﷺ کی جنگی حکمت عملی یہ تھی کہ اس لحاظ سے بھی آپ ﷺ

قابل ترین سپہ سالار تھے۔ آپ ﷺ کی جنگی اسٹریجی کا بنیادی کلیہ یہ تھا کہ مخالف عنصر کا خون بہانے کی بجائے بے بس کر دیا جائے۔ آپ ﷺ علاقے فتح کرنے کی بجائے دلوں کی فتح پر یقین رکھتے تھے۔ ہر جنگ میں موقع و محل کی مناسبت سے جنگی چال اختیار کرتے تھے۔ جس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱- جنگ احزاب میں خندق کھود کر مدینہ کا کامیاب دفاع کیا۔ عربوں کے لیے یہ بالکل نئی بات تھی۔

۲- فوجی حملہ کے لیے دشمن کو اچانک جا لیتے تھے اور تیاری کا موقعہ نہیں دیتے تھے۔ مثلاً فتح مکہ کے موقع پر۔

۳- عسکری پوزیشن اور فوجی نقل و حرکت میں انتہائی رازداری سے کام لیتے تھے۔ مثلاً غزوہ بدر کے موقعہ پر توریہ اختیار کیا۔ یعنی اصل مقصد کو مخفی رکھا۔ اسی طرح غزوہ بنی المصطلق میں حکمت عملی اختیار کی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **الْحَرْبُ خُدْعَةٌ** یعنی جنگ چال اور دھوکا ہے۔

۴- مختلف قبائل سے جنگی معاہدے کر کے انھیں غیر جانبدار بنا دیتے تھے۔ اس طرح قریش کی پوزیشن کمزور ہو گئی۔ وقت آنے پر دشمن پر اقتصادی دباؤ بھی ڈالتے تھے جیسا کہ قریش کی تجارتی شاہراہ کو بند کر دیا تھا۔

۵- بوقت ضرورت کمانڈرز کا بھی استعمال کرتے تھے۔ کعب بن اشرف اور سلام بن حقیق یہودی کو جو اسلام کے شدید دشمن تھے چند انصاری فداکاروں کے ذریعے قتل کروایا۔

۶- دشمن کی فوج اور حالات سے واقفیت اور مخالف علاقہ کی جغرافیائی معلومات کا حصول بھی آپ ﷺ کی جنگی حکمت عملی کا حصہ تھا۔

۷- آپ ﷺ اسلامی فوج کی فوجی ٹریننگ کے علاوہ اخلاقی تربیت کو بھی اہمیت دیتے تھے۔ کیونکہ جنگوں میں سامانِ حرب کی بجائے انسانی اخلاق اور قوت ایمان زیادہ فیصلہ کن قوت ثابت ہوتی ہے۔

حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میری فوج کا ایک مسلمان سپاہی دس کفار کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ یہی قوت ایمان تھی جس کی وجہ سے قلیل اسلامی فوج کا رعب کفار کی کثیر فوج پر پڑ جاتا۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرًا شَهْرًا  
”یعنی ایک ماہ کی مسافت سے دشمن مجھ سے مرعوب ہو جاتا ہے۔“

فوج سے خیر خواہی اور حسن سلوک: ایک پہ سالار کے لیے فوج کا خیر خواہ اور ضرور ہوتا ہے۔ حسن سلوک کرنا بھی ضروری ہے۔ اس ضمن میں آنحضور ﷺ کے دیگر اعمال و مشہور برائیوں سے نمایاں اور ممتاز نظر آتے تھے۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ عام فوجیوں سے نمایاں اور ممتاز نظر آتے تھے۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ آپ ﷺ غزوات میں اپنے آپ ﷺ کو دوسروں سے بلند و بالا خیال نہیں کرتے تھے بلکہ عام سپاہیوں کی طرح کام کرتے تھے۔ غزوہ خندق میں جب تمام فوجی خندق کھود رہے تھے تو آپ ﷺ بھی برابر ان کے ساتھ شریک تھے۔ حتیٰ کہ بھوک کے سبب عام سپاہیوں کے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھا تو آنحضور ﷺ نے دو پتھر باندھ رکھے تھے۔

۳۔ صحابہ نے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھا تو آنحضور ﷺ نے دو پتھر باندھ رکھے تھے۔

۴۔ انحضرت ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ نے ہر صعوبت پر لبیک کہا۔

۵۔ انحضرت ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ نے ہر صعوبت پر لبیک کہا۔

۶۔ غزوہ بدر میں اسلامی سپاہ کے پاس سواریاں کم تھیں۔ لہذا تین تین اسباب رسول ﷺ کے حصہ میں ایک ایک اونٹ آیا۔ آنحضور ﷺ بد الانبیاء ہونے کے باوجود عام فوجیوں کی طرح

۷۔ دو صحابہ کے ساتھ ایک اونٹ پر سوار ہوئے اور ہادی ہادی سوار ہوتے تھے۔

۸۔ فتح خیبر کے موقع پر جو زمین اہل اسلام کے حصہ میں آئی وہ اٹھارہ سو سپاہیوں میں مساوی تقسیم ہوئی۔ نبی کریم ﷺ کا حصہ بھی دوسرے مسلمان سپاہیوں کے برابر تھا حالانکہ آنحضور ﷺ اکرم فوج کے کمانڈر اچیف تھے۔

سادات اور حسن سلوک کے اور متعدد واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سید الانبیاء طہرت کے باوجود صحابہ کرام کے ساتھ بے تکلفانہ اور مساویانہ سلوک کیا کرتے تھے اور پہلا سالار اعظم ہونے کے باوجود آپ ﷺ کا رہن بہن ایک عام سپاہی کی طرح تھا۔

۹۔ دشمنوں سے پیار: آنحضور ﷺ نہ صرف انہوں سے بلکہ بیگانوں اور جنگی قیدیوں سے بھی شفقت و رحمت کا سلوک کیا کرتے تھے۔ ہم صرف چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ غزوہ بدر میں کفار مکہ کے ۷۰ آدمی گرفتار ہوئے۔ آپ ﷺ نے انہیں صحابہ پہنچے سپرد کیا اور فرمایا: "ان سے حسن سلوک کرنا" ایک قیدی کا بیان ہے کہ مجھے انصار کے ایک خاندان میں رکھا گیا۔ جب کھانے پر بیٹھے تو میرے سامنے روٹی رکھتے اور خود صرف کھجور کھاتے۔ میں شرم کے مارے روٹی کا ٹکڑا اُن کو لوٹا دیتا لیکن وہ اسے ہاتھ نہ لگاتے۔

۲۔ غزوہ بدر کے قیدیوں کے بازو میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زنائے دی کہ تمام کو قتل کر دیا جائے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "فدیہ لے کر سب کو رہا کر دیا جائے۔ رحمت عالم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو قبول فرمایا کیونکہ وہ

مزاج رسول کے موافق تھا۔

۳۔ فتح مکہ کے موقع پر تو آپ ﷺ نے عفو اور فراخ دلی کی انتہا کر دی۔ تمام دشمنان اسلام کو معاف کر دیا۔ حتیٰ کہ ایسے افراد کو بھی جن کی پوری زندگی اسلام کی مخالفت اور آنحضور ﷺ کی اذیت رسانی میں گزری تھی۔ آنحضور ﷺ کے عفو اور درگزر کی یہی حکمت عملی تھی جس سے ہارے ہوئے دشمن اخلاق نبوی سے مغلوب ہو جاتے اور جانی دشمن اسلام کے مخلص سپاہی بن جاتے۔

علاوہ ازیں آنحضور ﷺ نے جنگ میں خونریزی، مٹلہ اور دیگر ہر طرح کے ظلم و ستم کا خاتمہ کر دیا جو زمانہ جاہلیت میں روا رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی اسلامی فوج کو ہدایات تھیں کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور سفیروں کو قتل نہ کیا جائے۔  
الغرض آپ ﷺ تاریخ عالم کے منفرد قابل ترین شجاع کامیاب اور عظیم سپہ سالار تھے اور عسکری لحاظ سے بھی تمام قائدین عالم پر فوقیت رکھتے تھے۔

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

